

بسلاسلہ خلافت احمدیہ صد سالہ جوبلی

ہمارا آقا ﷺ  
علیہ السلام

بسیسلہ صد سالہ خلافت احمدیہ جو بلی

ہمارا آقا ﷺ  
علیہ السلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خدا تعالیٰ کا خاص فضل اور احسان ہے کہ صد سالہ  
خلافت احمدیہ جو بلی کے مبارک موقعہ پر بجھے امام اللہ پاکستان کو  
سیرۃ آنحضرت ﷺ پر بچوں کے لئے کتاب 'ہمارا آقا ﷺ' کی  
اشاعت کی توفیق مل رہی ہے۔

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی صاحب نے اس میں ہمارے  
آقا ﷺ کی سیرۃ کے واقعات نہایت خوبصورتی سے بیان فرمائے  
ہیں۔ خاکسار ان کے پوتے خالد پانی پتی صاحب کی شکرگزار ہے  
کہ انہوں نے ہمیں اس کی دوبارہ اشاعت کے اختیارات دے  
دیئے۔ خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ آمین

# فہرست مضمایں ”ہمارا آقا“

صفحہ نمبر	عنوان	
1	سخت امتحان	1
4	بیقرار ماں	2
7	غیبی چشمہ	3
11	بیٹے کی قربانی	4
14	دنیا کی پہلی مسجد	5
15	عجیب دعا	6
16	انوکھی منت	7
19	عظیم الشان خواب	8
21	خواب کی تعبیر	9
23	قوم کا تعجب	10
26	کھایا ہوا بھوسا	11
31	یتیم کی دائی	12

صفحہ نمبر	عنوان	
35	برکت کی پوٹ	13
37	نئے بھادر سلام!	14
4	فرشتوں کا نزول	15
43	ماں کی جدائی	16
46	دادا کا انتقال	17
50	مُقدّس لڑکے کی پہلی دعا	18
52	معصوم بچے کا ارادہ	19
55	بچے کا پہلا سفر	20
58	جہالت کا کرشنہ	21
67	نوجوان کا حلف	22
71	صادق اور امین	23
74	مال دار عورت	24
76	بیاہ	25
81	جال شاربیوی	26
85	چادر کے کونے	27

عنوان	صفحہ نمبر	
وفادار غلام اور مہربان آقا ﷺ	90	28
آفتابِ رسالت ﷺ کا طلوع	101	29
بُتوں کا سردار خدا کے گھر میں	103	30
پھر وہ کے پرستار	106	31
وحشت کے کرشمے	111	32
اخلاق کا جنازہ جہالت کے کندھے پر	122	33
خوفناک نظارہ	129	34
مضحکہ خیز توہینات	134	35
تاریکی میں روشنی	138	36
متبرک غار	141	37
وہی کافر شتہ	143	38
غمگسار بیوی	145	39
پیغمبر کا تجуб	148	40

## بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### سخت امتحان<sup>(۱)</sup>

پیارے بچو!

آج سے چار ہزار برس پہلے دنیا میں ایک عجیب واقعہ رو نما ہوا۔ بڑا عظیم الشیا کے شمال مغربی کونے پر ایک ملک ہے جسے شام کہتے ہیں۔ اُس میں خدا کے ایک بہت بڑے پیغمبر رہا کرتے تھے، جن کا نام ابراہیم علیہ السلام تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بوڑھے ہو گئے مگر ان کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوتی۔ اس پر انہوں نے خدا سے گڑگڑا کر فرزند کے لئے دعا مانگی۔

اللّٰہ تعالیٰ نے اُن کی دعا سن لی اور چھیساں برس کی عمر میں اُن کے ہاں ایک چاند ساییٹا پیدا ہوا۔ بیٹے کا نام انہوں نے اسماعیل رکھا جس کے معنی ہیں 'خدا نے (دعا) سُن لی'۔

مگر اسماعیل علیہ السلام پیدا ہونے کے تھوڑے ہی دنوں بعد خدا نے اُن کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سخت امتحان لینا چاہا۔  
اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا:- "ابراہیم! جاؤ بچے اور اُس کی ماں کو عرب کے لق و دق ریگستان میں چھوڑ آؤ۔"

بڑے ارمانوں اور دعاوں کے بعد بڑھاپے میں اولاد پیدا ہوئی تھی۔ اُسے ایک ویرانے میں چھوڑ آنے کے معنی یہ تھے کہ وہ تڑپ تڑپ کر ہلاک ہو جائے۔

بیوی بادشاہ مصر کی لڑکی تھی۔ نہایت ناز و نعمت سے محلوں میں پلی ہوئی۔ اُسے سنسان بیابان میں تنہا چھوڑ دینے کا مطلب یہ تھا کہ دو ہی دنوں میں اُس کا خاتمہ ہو جائے۔

اگرچہ یہ خطرے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں گزرے مگر بیٹی کی محبت اور بیوی کی الفت پر خدا کا عشق غالب آیا۔ پانی کا ایک مشکیزہ اور کچھ کھجوریں ساتھ لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا کا حکم پورا کرنے کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔

شہزادی ہاجرہ اپنے معصوم بچے کو چھاتی سے چھٹائے ساتھ رکھی۔ چلتے چلتے جب یہ چھوٹا سا قافلہ اُس ویران وادی میں پہنچا جہاں آج شہر مکہ آباد ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ٹھہر گئے۔ مشکیزہ کو زمین پر رکھا۔ کھجوروں کی تھیلی بیوی کے ہاتھ میں دی۔ ننھے بچے کو آبدیدہ آنکھوں سے پیار کیا اور واپس مُرد گئے۔

بیوی چلائی اور درد بھرے الفاظ میں کہنے لگی:- ”آپ کہاں جا رہے ہیں؟ اور ہمیں کس پر چھوڑ چلے؟ تھوڑی دیر میں کوئی بھیریا آئے گا

اور ہم دونوں کو پھاڑ کھائے گا۔“  
 مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہ تو پچھے مُڑ کر دیکھا اور نہ بات کا  
 جواب دیا۔

ما یوس ہو کر شہزادی نے پکار کر کہا:- ”اچھا اگر جاتے ہو تو جاؤ مگر  
 اتنا تو بتاتے جاؤ کیا تم ہمیں یہاں خدا کے حکم سے چھوڑے جا رہے ہو یا  
 کسی خفگی کی وجہ سے؟“

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پچھے مُڑ کر دیکھا۔ اُن کی آنکھیں  
 آنسوؤں سے ڈبڈ بارہی تھیں اور آواز شدّتِ غم سے بیٹھ گئی تھی۔ بول تو نہ  
 سکے، مگر اشارے سے کہا:- ”ہاں!“

اس پر شہزادی بولی:- ”پھر خدا ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ جاؤ  
 شوق سے جاؤ!“

یہی شہزادی میرے آقا (علیہ السلام) کی جدّہ ماجدہ تھی، جن کا نام  
 ہاجرہ تھا۔

## بیقرار مال<sup>(2)</sup>

شوہر کے چلے جانے کے بعد بے کس شہزادی نے سوچنا شروع کیا  
کہ اس گھلے آسمان کے نیچے اور اس چیلی زمین کے اوپر اس معصوم جان  
کے ساتھ زندگی کس طرح کٹے گی؟ یہاں نہ کوئی درخت نظر آتا ہے جس  
کے سایہ میں کچھ دیر بیٹھ جاؤں۔ نہ گھاس پھونس کا کہیں پتہ ہے جس کی  
جھونپڑی بنا کر اپنے لال کو ڈھوپ سے بچاؤں۔ اُس نے حسرت کے  
ساتھ ارد گرد کی خشک پہاڑیوں کو دیکھا اور خاموش ہو گئی۔

شہزادی نے اپنے لخت جگر کو جو شاہِ مصر کا نواسہ اور پیغمبرِ شام کا بیٹا  
تھا۔ پھر میلی زمین پر لٹا دیا۔ نیچے نہ کوئی بوریا تھا نہ کپڑا۔ اور سوچنے لگی،  
اب کیا ہو گا؟

تین چار دن کے بعد جب مشکیزہ کا پانی ختم ہو گیا تو نہما معصوم  
مارے پیاس کے زمین پر تڑپنے لگا۔ اُس کے ہونٹوں پر پپڑیاں جنم گئیں۔  
اور شدّتِ پیاس سے اُس کی زبان باہر نکلنے لگی۔

ماں کا دل اس دردناک نظارہ سے پاش پاش ہو گیا۔ مگر وہ پانی  
کہاں سے لائے جو اپنے لال کے منہ میں چوائے!  
یہ خیال کر کے کہاں بچہ کوئی دم کا مہمان ہے۔ ماں کے چہرے پر

ہوا بیاں اُڑنے لگیں۔

اُس نے پانی کی تلاش میں انہنائی حسرت کے ساتھ چاروں طرف نظر دوڑائی مگر پانی عنقا تھا۔

مامتا کی ماری ماں بڑی بیقراری کے ساتھ سامنے کی پہاڑی پر چڑھئی کہ شاید وہیں سے کہیں پانی کا کوئی چشمہ نظر آجائے لیکن بے سود! وہ وہاں سے اُتری اور اُس کے بال مقابل دوسری پہاڑی پر چڑھ کہ پانی ڈھونڈنے لگی مگر یہاں بھی اُسے ناکامی ہوئی۔ اتنے میں شہزادی کو خیال آیا کہ بچہ پیاس سے تڑپ تڑپ کر کہیں مرنے گیا ہو۔

اس خیال کے آتے ہی وہ بڑی بے چینی کے ساتھ پہاڑی سے اُتری اور دوڑ کر بچے کو گود میں اٹھا کر چھاتی سے لگالیا۔

بچہ ابھی تک زندہ تھا مگر پیاس کے مارے نہایت نڈھال ہو رہا تھا۔ امید پر دنیا قائم ہے، ماں نے سوچا۔ لا وَا ایک مرتبہ اور پہاڑی پر چڑھ کر دیکھوں۔ شاید پانی کا کچھ سراغ لگ سکے۔

وہ پھر دوبارہ پہاڑی پر چڑھی اور دور تک دیکھتی رہی مگر پانی کہیں ہوتا تو ملتا۔

ماہیں اور دل شکستہ ہو کر شہزادی پہاڑی سے اُتر آئی مگر دل نہ مانا اور خیال کرنے لگی کہ لا وَا دوسری پہاڑی پر بھی دوبارہ چڑھ کر قسمت آزمائی

کروں۔ مگر پانی کہاں تھا؟“

اسی طرح شہزادی نے دونوں پہاڑیوں کے جن کے نام 'صفا'، اور 'مرودہ' ہیں سات چکر لگائے۔ ہر مرتبہ آتی اور اپنے لختِ جگر کو دیکھ جاتی اور پھر بڑی بے قراری کے ساتھ پانی کی تلاش میں پہاڑی پر چڑھ جاتی۔

یہی مقدس بچہ میرے آقا (ﷺ) کا جدید امجد تھا۔ جس کا نام اسماعیل (علیہ السلام) تھا۔

### غیبی چشمہ<sup>(3)</sup>

ساتویں دفعہ جب ماں اپنے بچے کی خیریت دریافت کرنے آئی۔ تو اس نے بڑی حیرت سے دیکھا کہ جہاں بچہ پیاس کے مارے ابڑیاں رگڑ رہا ہے۔ وہاں کچھ کچھ نمی نظر آتی ہے اور اُس نمی میں پانی جھلک رہا ہے۔

مسرت اور تعجب کے انہائی جذبات کے ساتھ بڑی پھر تی سے شہزادی آگے بڑھی اور بچے کا پاؤں آہستہ سے ہٹا کر ہاتھوں سے زمین کریدنے لگی۔

اُس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا جب مٹی ہٹاتے ہی زمین میں سے پانی نکلنے لگا۔

جوں جوں شہزادی مٹی ہٹاتی۔ پانی زور سے نکلتا یہاں تک کہ زمین پر بہنے لگا۔

انبساط کے مارے ما یوس ماں کی با چھیں کھل گئیں۔ اس نے دوڑ کر بچے کو گود میں اٹھایا اور چلو میں پانی لے کر اُسے پلایا۔ تب کہیں بچ کی جان میں جان آئی اور اُس نے اپنی کٹورا سی آنکھیں کھول دیں۔ جنھیں دیکھ کر شہزادی فرط مسرت سے بے خود ہو گئی۔ اور بے اختیار خدا کے

حضور سجدے میں گر پڑی جس نے اپنی قدرت سے اس پتھریلی زمین میں  
چشمہ پیدا کر دیا تھا۔

پانی اب بھی بہہ رہا تھا اور اس کی نکاسی میں برابر زیادتی ہوتی  
جاری تھی۔

شہزادی نے یہ دیکھا تو جلدی جلدی آس پاس سے پتھرا کٹھے کئے  
اور چشمے کے چاروں طرف ایک ڈول بنادی تاکہ بہہ کر پانی ضائع نہ ہو  
جائے۔

پانی بہت جلد پتھروں کے کناروں تک آگیا۔ اور ایک حوض سما  
بن گیا۔ عرب میں پانی بہت ہی کم تھا۔ مختلف قبیلے اپنے ڈیرے خیمے لیے  
سارے ملک میں ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر پھرتے رہتے تھے۔  
جہاں پانی دیکھتے وہیں خیمے لگا کر اُتر پڑتے، جب تک پانی رہتا، وہ بھی  
وہاں پڑے رہتے، جب خشک ہو جاتا تو اپنے خیمے اکھاڑ دوسرے چشمے کی  
تلائش میں آگے روانہ ہو جاتے۔

یہاں بھی یہی ہوا۔ ایک قبیلہ جس کا نام جرمہم تھا۔ اتفاق سے  
ادھر سے گزر اتواس نے دیکھا کہ چیل اور پتھریلی وادی میں ایک چشمہ  
جاری ہے اور ایک عورت بچے کو گود میں لئے وہاں بیٹھی ہے۔

پانی کو دیکھ کر قبیلے والوں کا دل للچایا، انہوں نے کہا:- ”نیک

خاتون! اس ویران وادی میں آپ اکیلی کس طرح اپنی زندگی بسر کرتی ہوں گی؟ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئی ہیں؟“

شہزادی نے جواب دیا:- ”میں مصر کی رہنے والی ہوں اور شام سے آئی ہوں۔ مجھے میرے شوہر خدا کے حکم سے یہاں چھوڑ گئے ہیں۔ میرے بچے کے لئے اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت سے اس جنگل میں یہ چشمہ جاری کر دیا ہے۔“

یہ سُن کر قبلے والوں نے کہا۔ ”اگر آپ اجازت دیں تو ہم اس چشمہ کے آس پاس آباد ہو جائیں۔ ہمیں پانی مل جائے گا اور آپ کا اکیل پن دور ہو جائے گا۔“

اللہ تعالیٰ کے اس عجیب انتظام کو دیکھ کر شہزادی حیران رہ گئی مگر اُس نے بہت ہی خود دارانہ لہجہ میں جواب دیا:- ”کہ بے شک آباد ہو جائیں میرا کوئی ہرج نہیں، لیکن میں چونکہ چشمہ کی مالک ہوں، اس لئے شرط یہ ہے کہ پانی کے معاوضہ میں آپ لوگ میری اور میرے بچے کی ضروریات خوردونوش کا خیال رکھیں گے اور یہ بچہ بڑا ہو کر آپ کا سردار ہو۔ میں تمہیں بتائے دیتی ہوں کہ یہ معمولی لڑکا نہیں بلکہ شاہِ مصر کا نواسہ اور ابراہیم (علیہ السلام) پیغمبر کا بیٹا ہے۔“

قبلے والوں نے بڑی ہی خوشی اور احسان مندی کے ساتھ یہ

دونوں شرطیں مان لیں اور وہاں آباد ہو گئے۔

اس طرح شہرِ مکہ کی بنیاد پڑی جو آج تمام دنیا کے مسلمانوں کا  
مذہبی مرکز ہے۔ چشمہ بھی موجود ہے اگرچہ اُس کا پانی نیچے اُتر کر اب  
کنوئیں کی شکل میں تبدیل ہو چکا ہے جس کا نام زمزم ہے۔

بعض واقعات عام نظر میں معمولی ہوتے ہیں۔ مگر ان کا اثر اکثر

اوقات نہایت عظیم الشان ہوتا ہے۔ حضرت ہاجرہ (علیہا السلام) کے اسی  
واقعہ کو دیکھ لو۔ ان کا پہاڑیوں کے درمیان دوڑنا بظاہر ایک معمولی بات تھی  
مگر یہی واقعہ بعد میں ایک یادگار بن گیا۔ چنانچہ آج بھی جب ہزاروں  
لاکھوں مسلمان مکہ م معظمہ میں حج کے لئے جمع ہوتے ہیں تو حج کے  
دوسرے اركان کے ساتھ صفا اور مروہ کے درمیان بھی ضرور دوڑتے  
ہیں۔

بعد کے ایام میں ان ہی تاریخی پہاڑیوں میں سے ایک پر چڑھ کر  
میرے آقا علیہ السلام نے سب سے پہلے اعلان نبوت فرمایا تھا۔

مٹ کی قربانی (4)

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام مکہ کی کھلی ہوا میں پرورش پا کر جوان ہو گئے تو ان کے مقدس باپ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ نے دوبارہ امتحان لینا چاہا۔ یہ امتحان پہلے سے بھی سخت تھا۔

خدا نے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ 'جاو' اور  
اینے سیکھ کو پھری سے ذبح کر ڈالو

دنیا میں ایسا کب ہوا؟ اور آسمان نے ایسا نظارہ کب دیکھا؟ کہ کسی بوڑھے باپ نے اپنے ہاتھ سے اپنے جوان بیٹے کا گلا کاٹا ہو؟ یہ تو ایسی بات ہے کہ اس کے صرف خیال ہی سے آدمی کے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ مگر حضرت ابراہیم خدا کے سچ عاشق تھے وہ خواب دیکھتے ہی چھپری لے کر سفر پر روانہ ہو گئے۔

جب مکہ میں پنجے تو سعادت مندا اور لاک فرزند نے بڑے شوق اور ادب کے ساتھ باپ کی آؤ بھگت کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کو الگ لے گئے اور اس سے کہنے لگے:- ”مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ تجھے ذبح کر ڈالوں، بول تیری کیا مرضی ہے؟“

اس معلیل علیہ السلام آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند تھے۔ ایک لحظہ تامل کئے بغیر انہوں نے جواب دیا ”میرے محترم باپ! جو کچھ حکم دیا گیا ہے اُسے فوراً بجا لائیں۔ مجھے آپ انشاء اللہ صابر اور فرمانبردار پا میں گے۔“

باپ بیٹا دونوں جنگل میں چلے گئے پندرہ برس کا نوجوان لڑکا زمین پر لیٹ گیا اور سو برس کا بوڑھا باپ چھری لے کر اُسے اپنے رب پر قربان کر دینے کے لئے تیار ہو گیا۔

آسمان وزمین اس دلدوز نظارہ سے کانپ اٹھے اور فرشتوں نے اس عجیب منظر کو نہایت حیرت سے دیکھنا شروع کیا۔ دنیا کی تمام تاریخیں پڑھ جاؤ، تمہیں تاریخِ عالم کا کوئی بھی واقعہ ایسا حیران کن نظر نہیں آئے گا۔

باپ کا دل کس طرح گوارا کر سکتا تھا کہ خود اپنے ہاتھ سے اپنے نورِ نظر کا گلا کاٹے۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام عشقِ خداوندی میں اتنے مد ہوش تھے کہ انہیں احساس ہی نہ ہوا کہ میں کیا کرنے لگا ہوں۔ انہوں نے چھری اٹھائی اور بیٹے کے لگے پر رکھ دی۔

فوراً آسمان کے دروازے گھلے اور خدا اُسی آواز یہ کہتی ہوئی سنائی دی ”ابراہیم! ہمارا مقصد تیرے بیٹے کی قربانی نہیں تھا بلکہ ہم اس رنگ

میں تیری محبت اور وفا کا امتحان لینا چاہتے تھے۔ تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا اور امتحان میں پورا اُترا۔ جا! آج سے ہم نے تجھے قوموں کا امام بنایا۔ تو ہماری رضا کے لئے اپنے بیٹے کو قربان کرنے پر تیار ہو گیا۔ ہم اس کے عوض میں تجھے اتنی اولاد عطا فرمائیں گے کہ زمین پر ریت کے ذریعے اور آسمان پر ستارے گئے جائیں گے مگر تیری نسل نہیں گئی جائے گی۔ اپنے فرمانبرداروں کو ہم ایسا ہی انعام دیا کرتے ہیں،

اپنے خدا کا یہ پیغام سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کی چھاتی پر سے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے شکر گذاری کے طور پر ایک مینڈھا ذبح کر دیا۔

بقر عید کی قربانی کا حکم اسی واقعہ کوتازہ رکھنے کے لئے دیا گیا ہے۔

## (5) دنیا کی پہلی مسجد

جب ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام دونوں خدا کی محبت اور اُس کی تابعیت میں ثابت قدم ثابت ہوئے تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ”اب تم دونوں میری عبادت کے لئے مکہ میں ایک مسجد بناؤ۔ میں اسے اتنی برکت دوں گا کہ لوگ مشرق اور مغرب سے اُس کی طرف کھنچے چلے آئیں گے۔“

دونوں باپ بیٹوں نے خدائی حکم کی تعمیل میں خود اپنے ہاتھوں سے مسجد بنائی مگر یہ مسجد اتنی سادہ تھی کہ نہ اس کی چھت تھی، نہ کواڑ، نہ چوکھٹ، صرف ایک معمولی سی چار دیواری تھی 9 ہاتھ اونچی 32 ہاتھ لمبی اور 22 ہاتھ چوڑی، بیچ کا فرش بھی پختہ نہیں تھا۔

یہ وہی مسجد ہے جو آج خانہ کعبہ کے نام سے مشہور ہے۔ خدا نے حسب وعدہ اس کو اتنی برکت دی کہ یہ آج چودہ سو برس سے مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ تمام دنیا کے مسلمان اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے اور ہر سال ہزاروں کی تعداد میں دنیا کے مختلف حصوں سے آ کر اس کا حج کرتے ہیں۔

## عجیب دعا<sup>(6)</sup>

جب خدا کے حکم کی تعمیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھارے تھے تو انہوں نے بڑے ہی خلوص اور نہایت ہی عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ:-

رَبَّنَا وَابْنَعْثُ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتَلَوَّا عَلَيْهِمْ  
اِيْتِكَ وَيُعْلَمُهُمُ الْكِتَبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ  
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

یعنی اے ہمارے پروردگار! ان کے والوں میں اپنا ایک رسول بھیج۔ جو ان پر تیری آئیتیں پڑھے اور ان کو دانائی اور حکمت کی باقیں سکھائے اور ان کے والوں کو پاک کرے۔ اے خدا! تو بڑی قدر توں والا اور صاحبِ تدبیر ہے۔

یہ عظیم الشان تاریخی دعا ڈھائی ہزار برس کے بعد اپنی پوری شان سے اُس وقت قبول ہوئی۔ جب ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے سرزمین مکہ میں پیدا ہوئے اور دنیا حضور ﷺ کے ور سے جگ گا اٹھی۔

## (۷) انوکھی مَنَّت

عرب میں قریش کی قوم سب سے زیادہ معزز تھی اور قریش میں بنی ہاشم کا قبیلہ سب سے زیادہ شریف سمجھا جاتا تھا۔ عبدالمطلب بن ہاشم اس قبیلہ کے رئیس اور مکہ کے سردار تھے۔ کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے تمام عرب ان کی عزت کرتا تھا۔

عبدالمطلب نے ایک دفعہ ایسی عجیب و غریب مَنَّت مانی کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے۔ آج تک شاید کسی نے نہ مانی ہوگی۔

اُنہوں نے کہا کہ اگر میرے ہاں دس بیٹے پیدا ہوئے اور سارے میرے سامنے جوان بھی ہو گئے تو میں اُن میں سے ایک بیٹے کو خدا کے نام پر قربان کر دوں گا۔

اللّٰہ تعالیٰ کی قدرت عجیب ہے کہ اُن کے ہاں دس بیٹے پیدا ہوئے اور دسوں ہی اُن کی زندگی میں جوان ہو گئے۔

مَنَّت مانتے وقت تو عبدالمطلب کو کچھ بھی خیال نہ تھا۔ مگر جب اُسے پورا کرنے کا وقت آیا تو وہ بڑے سٹ پٹائے۔ لیکن آدمی بات کے سچے اور دل کے پکے تھے۔ سارے بیٹوں کو خانہ کعبہ میں لے گئے تاکہ حسب وعدہ اُن میں سے ایک کو قربان کر دیں۔

کعبہ میں پہنچ کر انہوں نے قرعہ ڈالا تو وہ اُن کے سب سے چھوٹے بیٹے عبد اللہ کے نام نکلا۔ جن کی عمر اگرچہ ابھی صرف 17 برس کی تھی۔ مگر سارے بیٹوں میں سب سے زیادہ لاکن اور نیک تھے۔ علاوہ ازیں صورت شکل کے لحاظ سے بھی اپنے بھائیوں سے بہتر تھے۔ اس وجہ سے عبدالمطلب کو ان سے بہت محبت تھی۔ ویسے بھی چھوٹی اولاد سے عام طور پر والدین کو زیادہ محبت ہوا، ہی کرتی ہے۔

اس لئے جب عبد اللہ کے نام کا قرعہ نکلا تو عبدالمطلب قدرتاً بہت گھبرائے مگر بہر حال انہوں نے مinct پوری کرنی چاہی۔

اتنے میں قریش کے بہت سے آدمی کعبہ میں جمع ہو گئے۔ اور جب انہوں نے یہ قصہ سنایا تو عبدالمطلب سے کہنے لگے ”ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ اتنا لاکن نوجوان اس طرح موت کی نیند سُلا دیا جائے۔ آپ یہ کام کریں کہ دس اونٹوں پر اور عبد اللہ پر قرعہ ڈالیں۔ اگر قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا تو انہیں ذنکر ڈالیں۔“

چنانچہ دوسری دفعہ قرعہ ڈالا گیا۔ مگر اس وقت بھی وہ عبد اللہ ہی کے نام نکلا۔ لوگوں نے پھر کہا کہ اچھا اب بیس اونٹوں اور عبد اللہ کا قرعہ ڈالو۔ لیکن اس مرتبہ بھی قرعہ میں عبد اللہ ہی کا نام آیا۔

قوم کے بار بار اصرار سے عبدالمطلب دس دس اونٹ زیادہ کر کے

قرعہ ڈالتے رہے مگر ہر بار قرعہ عبد اللہ کے نام ہی نکلتا رہا۔  
آخر جب تعداد ایک سو اونٹوں تک پہنچ گئی۔ اُس وقت قرعہ  
اونٹوں کے نام نکلا۔

یہ دیکھ کر عبد المطلب نہایت خوش ہوئے۔ مگر انہوں نے مزید  
اطمینان کے لئے دوبارہ قرعہ ڈالا۔ اُس وقت بھی وہ اونٹوں ہی کے نام  
نکلا۔

اس کے بعد انہوں نے انتہائی مسرت کے ساتھ عبد اللہ پر ایک  
سو اونٹ قربان کر دیئے۔

یہی عبد اللہ ہمارے حضرت محمد ﷺ کے والد تھے۔

## عظیم الشان خواب (8)

جتنے سیارے سورج کے گرد گھومتے ہیں۔ اُن میں سب سے زیادہ روشن اور خوبصورت سیارہ زہرہ ہے۔ اسی ستارے کے نام پر عرب کے ایک قبیلہ کا نام بنی زہرہ تھا۔

یہ قبیلہ مکہ میں آباد تھا اور قریش کے معزز قبائل میں شمار ہوتا تھا۔ وہب بن عبد مناف اس قبیلہ کے ایک نمایاں شخص تھے۔

انہی وہب کی ایک بیٹی تھی۔ بہت ہی نیک، سلیقہ شعار اور خوش مزاج جب یہ بڑی ہوئی تو اس کی شادی قبیلہ بنی ہاشم میں سردار قریش عبد المطلب کے فرزند جلیل عبد اللہ سے ہو گئی جن کا ذکر تم ابھی پڑھ چکے ہو۔

ابھی شادی کو صرف تین ہی دن گزرے تھے کہ شوہر تجارت کے لئے شام چلا گیا۔ اور واپسی میں جس وقت مدینہ میں پہنچا تو نہایت شدید بیمار ہو گیا اور تھوڑے دنوں کے بعد وہیں اُس کا انتقال ہو گیا۔

جب یہ مخصوص خبر مکہ میں بیوی نے سنی تو مارے غم کے بیچاری کا برا حال ہوا۔ ہر وقت شوہر کے غم میں آنسو بھاتی اور اسے یاد کر کر کے روتی رہتی تھی۔

عرب میں عورت بیوہ ہو جاتی تو خود ہی دوسرا خاوند کر لیتی تھی۔ مگر اس لڑکی کو اپنے شوہر سے اتنی محبت تھی کہ اس نے ارادہ کر لیا۔ کہ اب ساری عمر دوسری شادی نہیں کروں گی اور باقی کی ساری زندگی اپنے شوہر کی یاد میں گزار دوں گی۔

اب اُس کا کام ہر وقت گریہ وزاری اور آہ و بکا تھا۔ نہ اُسے کھانا اچھا لگتا تھا نہ پینا، نہ وہ کپڑے بدلتی تھی، نہ کنگھی چوٹی کرتی تھی، نم کی تصویر بنی ہر وقت بیٹھی رہتی تھی۔

اسی طرح کئی مہینے گزر گئے۔ مگر لڑکی کے رنج میں کمی نہ آئی۔

ایک روز اُس نے خواب میں دیکھا جیسے تمام عالم میں گھੁپ اندر ہمرا چھایا ہوا ہے۔ نہ ہاتھ کو ہاتھ سمجھائی دیتا ہے، نہ کچھ نظر آتا ہے۔ یکا یک اُس کے سینے سے ایک نہایت ہی چمکتا ہوا نور نکلا۔ جو پھیلتا رہا اور بڑھتا رہا یہاں تک کہ ہر جگہ چھا گیا اور دنیا کا کونا کونا جگمگا اٹھا۔

بھولی بھالی لڑکی کچھ بھی نہ سمجھ سکی کہ اس خواب کی کیا تعبیر ہوئی؟ مگر ہاں اُسے اپنے رنج و نم میں کچھ سکون سا ضرور محسوس ہوا۔

جانتے ہو یہ لڑکی کون تھی؟

اس کا نام آمنہ تھا اور یہی ہمارے حضور ﷺ کی والدہ محترمہ

ہیں۔

## خواب کی تعبیر (9)

اُس غم نصیب عورت کو اس دنیا میں کیا خوشی حاصل ہو سکتی ہے۔ جو صرف چند دن کی بیاہی یوہ ہو گئی ہو۔ جہان اُس کے لئے تاریک اور زندگی اُس کے لئے قید خانہ تھی۔ آخر خدا نے پاک نے عرش سے اُس کے رنج و غم کو دیکھا اور نہایت شفقت کے ساتھ اُس پر اتنی مہربانی فرمائی کہ دُنیا میں نہ اُس سے پہلے کسی عورت پر اتنا کرم ہوا، اور نہ اُس کے بعد قیامت تک کسی خاتون پر ہو گا۔ یعنی اُس کو خدا کے فرشتے کے ذریعے اُس بیٹی کی بشارت دی جو ایک دن تمام اوقیان اور آخرین کافخر اور کل بنی آدم کا روحانی سردار ہونے والا تھا۔

لڑکی کی خوشی و مسرت کی انہتائے رہی۔ جب پیر کے دن اُس کے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ بچہ کیا تھا! چاند کا ایک ٹکڑا تھا جو آسمان سے ٹوٹ کر آمنہ کی گود میں آپڑا تھا۔

بچے کو دیکھ کر ماں کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اُس نے بڑی محبت سے اُسے اٹھایا، پیار کیا اور چھاتی سے لگالیا۔ بچے کے وجود میں اُسے دُنیا جہان کی خوشیاں جھلکتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ وہ اس کے مرحوم شوہر کی زندہ یادگار تھا۔ فوراً لڑکے کے دادا کو خبر کی گئی۔ وہ آئے تو پوتے کو دیکھ کر ان کو

اپنے مرحوم بیٹے کی یاد آگئی۔ اور بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

آمنہ نے لڑکے کو دادا کی گود میں دیا اور کہنے لگیں کہ ”میں نے اس کی پیدائش سے پہلے یہ خواب دیکھا تھا کہ میرے اندر سے ایک نور نکلا اور ساری دنیا میں پھیل گیا،“

دادا نے جواب دیا

”اس خواب کی تعبیر یہ بچہ ہے“

یہ عظیم الشان بچہ بڑا ہو کر تمام دنیا کا روحانی سردار بنا اور نسل انسانی کی نجات کا باعث ہوا۔ کیونکہ اُسی کے نور سے کفر کی ظلمت دور ہوئی اور توحید کی روشنی سے تمام دنیا جگمگا اٹھی۔

## (10) قوم کا تعجب

عبدالمطلب بوڑھے ہو گئے تھے مگر آج تک انہوں نے ایسا حسین وجہیں بچے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اُن کی گود میں ایک چھوٹا سا فرشتہ معلوم ہوتا تھا۔ بچے کو گود میں لئے ہوئے عبدالمطلب کعبے میں چلے گئے تاکہ وہاں اُس کی عمر و اقبال کے لئے دعا کریں۔

کعبہ میں اُس وقت قریش کے معزز لوگ بیٹھے باقیں کر رہے تھے۔ بچے کی شکل دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔ اور اپنے سردار کو مبارک باد دینے لگے پھر پوچھا ”آپ نے پوتے کا نام کیا رکھا ہے؟“

عبدالمطلب نے کہا: ”میں نے اس کا نام محمد رکھا ہے۔“

یہ عجیب اور انوکھا نام سُن کر قریش کے بُت پرست لوگ حیرت سے ایک دوسرے کامنہ تکنے لگے۔ اُن کے لئے یہ نام بالکل نیا تھا۔

آخر ایک آدمی نے ذرا جرأت کر کے کہا:-

”ہمارے معزز سردار! آپ نے اپنے پوتے کا یہ کیا نام رکھا؟ کسی بُت کے نام پر کوئی اچھا سانام رکھا ہوتا۔“

سردار قریش مسکرانے اور فرمائے لگے:-

”میری بڑی خواہش ہے کہ میرا یہ پیارا بیٹا دنیا بھر کی ستائش کا

مستحق ہو ہر قسم کی بھلائی اور خوبی اس میں پائی جائے اور ہر شخص اس کی تعریف اور توصیف کرے۔ اسی لئے میں نے اس کا نام محمد رکھا ہے اور اُس کی ماں نے بھی کچھ ایسا ہی ساخواب دیکھا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑا ہو کر بہت بڑاً آدمی بنے گا۔

یہ تھی ہمارے آقا علیہ السلام کی پیدائش!

دنیا میں کسی انسان کی تمنا اور آرزو اتنی عمدگی اور ایسی خوبی کے ساتھ بھی پوری نہ ہوئی ہو گی جیسی عبدالمطلب کی ہوئی۔ چنانچہ دیکھ لو! آج تک ہر حیثیت سے کسی شخص کی تعریف اتنی نہیں کی گئی جتنی آنحضرت علیہ السلام کی کی گئی۔ آپ علیہ السلام کو اگرچہ چودہ سو برس کے قریب ہو چکے ہیں مگر اس طویل عرصہ میں ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا جس میں آپ کی تعریف و توصیف دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں نہ ہوئی ہو۔ عرش پر خدا، آسمانوں پر فرشتے اور زمین پر انسان آنحضرت علیہ السلام کی برابر تعریف کرتے رہتے ہیں۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ پانچ وقت نمازوں میں اپنے آقا علیہ السلام پر درود بھیجے۔

زبان سے تعریف کرنے کے علاوہ آپ علیہ السلام کے منہ سے نکلے ہوئے مقدس کلمات (یعنی حدیثوں) کو جمع اور مرتب کرنے میں سینکڑوں علماء نے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور بڑے موٹے موٹے مجموعے احادیث کے لکھ

کر ہمارے لئے چھوڑ گئے۔ دنیا میں آج کروڑوں انسان آنحضرت ﷺ کے ان کلماتِ طیبات پر عمل کرنا اپنی نجات کا ذریعہ صحیح ہے ہیں۔

جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے، اس وقت تک کسی بڑے سے بڑے آدمی کی با تین اس طرح قلمبند نہیں ہوئیں۔

پھر دیکھو! ہر زمانہ میں اور ہر زبان میں ہمارے آقا علیہ السلام کی اتنی بکثرت سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں کہ حدود شمار سے باہر ہیں۔ دنیا کی ابتداء سے لے کر آج تک کسی انسان کی اس قدر زیادہ سوانح عمریاں لکھی گئیں۔

— کوئی بتلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے

غرض دنیا کے کسی ہادی، کسی رسول، کسی پیغمبر، کسی رہنماء، کسی لیدر اور کسی ریفارمر کی اتنی تعریف نہیں ہوئی جتنی ہمارے حضرت محمد ﷺ کی ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔

## کھایا ہوا بھو سا (11)

جس سال ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے اُسی سال مکہ کی سر زمین میں حضور ﷺ کی ولادت سے 70 دن پہلے ایک بڑا ہولناک واقعہ ہوا۔ جس سے قریب تھا کہ کعبے کی اینٹ سے اینٹ نج جاتی اور اتنی خون ریزی ہوتی کہ سارا شہر ویران ہو جاتا مگر خدا نے ہمارے آقا ﷺ کی برکت سے سب کو بچالیا۔

ہوا یہ کہ عرب کے جنوب مغربی علاقہ کے ایک حصہ کا نام یمن ہے جو بحر قلزم کے کنارے پر واقع ہے۔ سمندر کے دوسرے سرے پر جوش کا ملک ہے۔ جسے آج کل ابی سینیا کہتے ہیں۔ اُس وقت جوش کا بادشاہ عیسائی تھا اور ان کا علاقہ اس کے ماتحت تھا یمن کے عیسائی گورنر کا نام ابراہہ تھا۔ اُس نے جب دیکھا کہ یمن سے ہر سال سینکڑوں عرب حج کرنے مکہ کو جاتے ہیں تو اُسے بہت ناگوار گزدرا۔ اُس نے ان کو روکنے کی یہ تدبیر کی کہ دارالسلطنت صنعت میں بڑے اہتمام سے ایک عالیشان گرجا بنوایا اور لوگوں کو حکم دیا کہ بجائے اتنی دور جانے کے پاس کے پاس اس گرجا کا طواف کر لیا کریں۔

عرب کے لوگوں کو بھلا یہ بات کس طرح گوارا ہو سکتی تھی کہ کعبہ

کے مقابلہ میں وہ ایک گرجا کی تعظیم کریں۔ وہ اس کا طواف تو کیا کرتے! یہ کام کیا کہ چپکے چپکے جا کر اُس میں جگہ جگہ نجاست ڈال دی اور پھر وہاں سے بھاگ آئے۔

عربوں کی اس حرکت پر ابرہہ کے غصہ کی انتہا نہ رہی۔ اس نے ایک زبردست فوج جمع کی اور ساٹھ ہزار سپاہ کے ساتھ مکہ پر حملہ کر دیا تا کہ گرجا کی ہٹک کے بدله میں کعبہ کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دے۔

ابرہہ جب مکہ کے قریب پہنچا تو عبدالمطلب کے کچھ اونٹ شہر سے باہر میدان میں چڑھ رہے تھے، لشکریوں نے ان کو پکڑ لیا۔

عبدالمطلب کو اس کی خبر ہوئی تو وہ ابرہہ کے پاس گئے۔

جو نبی ابرہہ نے سُنا کہ سردارِ قریش میرے پاس آرہے ہیں تو وہ بڑا ہی خوش ہوا اور اُس نے سمجھا کہ غالباً اطاعت کا اقرار کرنے اور یہ التجا کرنے آرہے ہیں کہ کعبے کو نہ ڈھایا جائے اور ہمارے قصور کو معاف کر دیا جائے۔

اُس نے ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور عزت سے اپنے پاس بٹھایا۔ مزاج پوچھے اور پھر دریافت کیا کہ کیسے تشریف لانا ہوا؟

عبدالمطلب نے کہا ”میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں، کہ آپ کے فوجیوں نے میرے اونٹ پکڑ لیے ہیں۔ وہ مہربانی

فرما کرو اپس کروادیں۔“

ابرہم نے حیرت سے سردارِ قریش کی طرف دیکھا اور کہنے لگا:-

”اوٹ تو آپ لے جائیں مگر آپ کا نام سن کر اور آپ کی صورت دیکھ کر جو قدر آپ کی میرے دل میں پیدا ہوئی تھی۔ وہ آپ کی اس درخواست سے بالکل جاتی رہی۔ آپ کو اپنے کعبہ کا تو کچھ خیال نہ ہوا جس کے ڈھانے اور گرانے کے لئے میں اتنا بڑا شکر لے کر آیا ہوں کہ اگر سارے عرب کے باشندے بھی مل کر اُس کا مقابلہ کریں تو ایک بھی سلامت بچ کر نہ جائے۔ مگر کعبہ کی بجائے آپ کو اپنے چند اونٹوں کی فکر ہوئی۔ ایسی سطحی بات سردارِ قریش کے منہ سے نہیں نکلنی چاہیے تھی۔

عبدالمطلب بڑی بے پرواہی سے ہنسے اور فرمانے لگے ”آناربُ الْاِبْلِ وَلِلْبَيْتِ رَبُّ يَمْنَعُهُ“ یعنی میں اونٹوں کا مالک ہوں پس اُن کے چھڑانے کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔ اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ اپنے گھر کی حفاظت خود کرے گا۔ اُس کے لئے مجھے فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“

ابرہم نے طیش میں آ کر کہا:- ”اچھا میں دیکھوں گا کہ کعبہ کا مالک کعبہ کو میرے ہاتھ سے کس طرح بچاتا ہے!“

عبدالمطلب بولے ”جی ہاں آپ بھی دیکھئے گا اور ہم بھی دیکھیں

گے۔ یہ کہا اور اٹھ کر چلے آئے۔

ابر ہے نے فوراً فوج کو تیاری کا حکم دیا اور مکہ پر حملہ کر دیا۔

مگر فوراً ہی اس پر خدا کا غضب نازل ہوا اور اس کا سارا لشکر بری طرح ہلاک ہو گیا۔ مرنے والوں کی لاشوں سے سارا میدان بھر گیا اور کوئی ان کی لاشوں کو اٹھانے والا ہی نہ رہا۔ قرآن کریم نے اس سارے واقعہ کو صرف چند لفظوں میں ایسی خوبی، متنانت اور عمدگی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ فصاحت جبران رہ گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

الَّمُ تَرَكَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ۝  
يَجْعَلُ ۝ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۝ وَ أَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْراً  
أَبَا ابِيلٍ ۝ تَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِيلٍ ۝ فَيَجْعَلُهُمْ  
كَعَصْفٍ مَا كُوْلٍ ۝

یعنی اے مخاطب! کیا تو نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ تیرے پروردگار نے اصحابِ فیل کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کیا اس نے ان کے عزم و ارادہ کو خاک میں نہیں ملا دیا؟ خدا نے ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندوں کے بھیجے جو ان کو پتھر کی کنکریوں سے مارتے تھے۔ پس کر دیا ان کو کھائے ہوئے بھوسہ کی مانند۔“

سردار لشکر ابر ہے کو سب سے زیادہ سزا ملی یعنی اس کے جسم کی کھال

جگہ جگہ سے گل کر جھڑ نے لگی جس کی شدید تکلیف وہ برداشت نہ کر سکا اور  
درد و کرب سے چختا چلا تا جہنم کو روانہ ہو گیا۔

خدا کی لاٹھی بے آواز نہیں ہوتی مگر جس پر پڑتی ہے زور سے پڑتی  
ہے کہ دونوں جہان میں اس کا بالکل بیڑا غرق کر کے رکھ دیتی ہے۔

## بیتِ تم کی دائی<sup>(12)</sup>

عرب میں دستور تھا کہ دیہات سے ہر چھٹے مہینے عورتیں شہروں میں آتیں اور شرفاء کے شیرخوار بچوں کو دودھ پلانے اور پرورش کرنے کے لئے گاؤں میں لے جایا کرتی تھیں۔ اس سے ان عورتوں کو تو یہ فائدہ ہوتا کہ ان کی روزی کا معقول سامان ہو جاتا۔ کیونکہ بچوں کے والدین ان کو اس خدمت کا بہت معقول معاوضہ دیتے تھے۔ ماں باپ کو یہ فائدہ ہوتا کہ ان کے نئے بچے دیہات کی کھلی ہوا میں پرورش پا کر خوب مستعد تندرست اور چست و چالاک ہو جاتے۔

اسی دستور کے موافق آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت بھی بنو سعد کی عورتیں مکہ میں شرفاء کے بچوں کو لینے آئیں اور ہر ایک عورت نے جلدی جلدی امیر امیر بچوں کو سنبھال لیا۔ مگر آمنہ کے لال ﷺ کی طرف کسی نے توجہ بھی نہ کی۔ کیونکہ ایک تو بیتِ تم بچہ تھا اور بیتِ تم بچہ عرب میں منہوس سمجھا جاتا تھا۔ دوسرے غریب ماں کے پاس کھلانی کو دینے کیلئے کچھ نہ تھا۔ اس لئے کس امید پر کوئی عورت یہاں آتی اور بچے کے لئے درخواست کرتی۔ جب آمنہ نے سنا کہ دیہات سے عورتیں بچوں کو لینے آئی ہیں۔ تو وہ خیال کرنے لگی کہ اگر اس وقت بچے کا باپ زندہ ہوتا، یا

میں مالدار ہوتی تو کوئی عورت میرے بچے کو بھی لینے آتی۔ لیکن یہاں دونوں چیزیں نہ تھیں۔ ناچار غریب بیوہ آہ کھنچ کر اور دل مسوس کر رہ گئی۔ انہی عورتوں میں حلیمه نامی ایک دائی تھی۔ بے چاری غریب بھی تھی اور کمزور بھی۔ اُس کو بہت دوڑ دھوپ کے باوجود کوئی بچہ نہ ملا وہ بڑی حسرت کے ساتھ اپنی ساتھی عورتوں کو تک رہی تھی جن کے پاس بڑے بڑے امیروں کے بچے تھے۔

غريب حلیمه بچہ نہ ملنے پر غمگین تھی۔ مگر قسمت سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی اور فرشتے آسمان سے جھانک کر کہہ رہے تھے کہ:-

”حلیمه! تجھے بچہ نہیں بلکہ بنی نوع انسان کا سردار اور اقلیم روحاںیت کا تاجدار ملنے والا ہے۔ ذرا صبر تو کر۔“

جب حلیمه کو باوجود سخت کوشش کے کوئی بچہ نہ ملا تو اس نے بہت ہی ماہیوس ہو کر اپنے شوہر سے کہا کہ اگر تم کہو تو میں جا کر آمنہ کے بچے ہی کو لے آؤں؟ اگرچہ وہ یتیم ہے اور اُس کی ماں کے پاس دینے دلانے کو بھی کچھ نہیں۔ لیکن اگر میں کسی بچے کو نہ لے گئی تو میرے ساتھ کی دوسری عورتیں میرا مذاق اڑائیں گی اور مجھے طعنہ دیں گی۔ اس لئے بے کار سے بیگار بھلی۔ بولو! تمہاری کیا رائے ہے؟

شوہر کا نام حارت تھا۔ سُن کر کہنے لگا ”مجبورأیہی کرنا پڑے گا۔

لاچاری پر بست سے بھاری قبیلے میں آخر عزت بھی تو رکھنی ہی ہے،“  
میاں بیوی کی اس گفتگو کے بعد حلیمه آمنہ کے پاس آئی اور کہنے  
گئی۔ ”میں آپ کے بچے کو لینے آئی ہوں۔ اگر آپ دے دیں تو لے  
جاوں،“

آمنہ نے جواب دیا:- ”ہاں لے جاؤ، مگر میں تمہاری خدمت کا  
معاوضہ کہاں سے دوں گی؟ کیونکہ نہ بچے کا باپ زندہ ہے اور نہ میں امیر  
ہوں۔“ حلیمه نے کہا:- ”میں اس خیال سے نہیں آئی صرف بچے کو لینے آئی  
ہوں۔“

ماں بولی:- ”تمہارا شکر یہ! لیکن آخر ہر شخص بدله کی امید میں ہی دوسرے کا  
کام کرتا ہے،“

حلیمه نے جواب دیا ”نہیں مجھے بدله اور معاوضہ کی خواہش نہیں  
میں صرف بچہ چاہتی ہوں،“

یہ کہہ کر نہایت اصرار سے بچے کو لے گئی۔

حلیمه! تجھے کیا خبر تھی کہ جس غریب اور یتیم بچہ کو تو لے جا رہی ہے۔  
وہ تیرے لئے ملکہ کے تمام امیر کبیر بچوں سے زیادہ خوش نصیب ثابت ہو گا  
حلیمه خود کہتی ہے کہ محمد ﷺ کو لے جاتے ہی ہماری تنگدستی، غربت اور  
مفلوک الحالی، آرام و راحت اور خوش حالی سے بدل گئی۔ ہماری کمزور اور

سست رفتار اونٹنی قبیلے کی ساری اونٹنیوں سے زیادہ چاق و چوبند ہو گئی اور ہماری بکریاں خاندان کی سب بکریوں سے زیادہ دودھ دینے لگیں۔ اگر چہ شروع میں حلیمه بہت ہی بے دلی کے ساتھ مجبوراً بچہ کو اس کی ماں سے لائی تھی۔ مگر آج اپنے انتخاب پر پھولی نہیں سماتی تھی۔

## (۱۳) برکت کی پوٹ

نخا معلوم بچہ حلیمه کی گود میں پرورش پاتا رہا۔ اور حلیمه اسے دیکھ دیکھ کر نہال ہوتی رہی کیونکہ محض اُس کے دم سے اُس کا گھر برکت کی پوٹ بن گیا تھا۔

دو برس آنکھ جھپکتے میں گزر گئے اور حسب دستور وہ وقت آپنہ چا جب عام طور پر بچوں کو عورتیں واپس مکہ میں لا کر اُن کے ماں باپ کے سپرد کر دیتی تھیں۔

اب تو میاں بیوی بڑے گھبرائے نہ بچے کو قاعدہ کے مطابق رکھ سکتے ہیں، نہ کسی طرح اُن کا دل چاہتا تھا کہ ایسا با برکت بچہ اُن کے ہاں سے جائے کیونکہ انہیں صاف نظر آ رہا تھا کہ بچہ گھر کی ساری برکت بھی اپنے ساتھ ہی لے جائے گا۔

علاوہ ازیں بچے سے محبت بھی اتنی ہو گئی تھی کہ حلیمه کا دل کسی طرح بھی اُسے چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔ مگر دستور سے مجبور تھی، ناچار بچے کو لے کر مکہ میں آئی اور آمنہ سے بڑی عاجزی کیسا تھا کہنے لگی کہ میں آپ کا بچہ تو لے آئی ہوں لیکن اس سے اتنی محبت ہو چکی ہے کہ کسی طرح بھی اُس سے جُدا ہونے کو جی نہیں چاہتا۔ اگر آپ اتنی مہربانی کریں کہ کچھ دنوں اور

اسے میرے پاس رہنے دیں تو میں اس عنایت کے لیے آپ کی بہت ممنون ہوں گی۔ ویسے میرا کچھ زور نہیں، بچہ آپ کا ہے اور آپ کو مبارک رہے۔

اتفاق سے اُن دنوں مکہ کی آب و ہوا کچھ خراب تھی اور حیمہ کا بے حد اصرار بھی تھا۔ اس لئے دنوں باقتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے آمنہ نے فرمایا ”تم نے اتنے دنوں محبت کے ساتھ اس کی پروردش کی ہے۔ میں تمہارا دل میلا کرنا نہیں چاہتی۔ اچھا تھوڑے دنوں کے لئے اور لے جاؤ۔ آج کل ویسے بھی مکہ کی آب و ہوا خراب ہو رہی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ بچہ اس وقت یہاں رہے۔“

حیمہ کو ایسا معلوم ہوا جیسے ایک عظیم الشان خزانہ آمنہ نے اسے بخش دیا اور وہ بڑی خوش خوش اپنے گاؤں کو لوٹ گئی۔

## نئھے بہادر! سلام (14)

آنحضرت ﷺ دائی حلمہ کے ہاں پورش پار ہے تھے۔ جب پانچ برس کے ہوئے تو گاؤں کے دوسرے بچوں کے ساتھ بکریاں چرانے کے لئے جنگل میں جانے لگے۔ صبح کو جاتے اور شام کو بکریاں لے کر واپس چل آتے۔ روزاں طرح ہوتا۔

ایک دن حسبِ معمول گاؤں کے بچے جنگل میں بکریاں چرار ہے تھے۔ یکا یک ڈا کو آن پڑے جن کی خوفناک شکل میں اور چمکدار تلواریں دیکھ کر سارے بچے بدحواسی کے ساتھ گاؤں کی طرف بھاگے۔ صرف ایک بچہ ایسا تھا جو ذرا نہ ڈرا، نہ بھاگا اور جب چاپ اپنی جگہ کھڑا رہا۔

محمد ﷺ اسی بچے کا نام تھا۔

لٹیرے اور ڈا کو ایک چھوٹے بچے کی موجودگی کا کیا خیال کرتے؟ انہوں نے بکریاں اکٹھی کیں اور چلنے لگے۔

معاً نھا بچہ آگے بڑھا اور ڈا کوؤں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا：“یہ بکریاں گاؤں والوں نے ہمارے ساتھ جنگل میں بھیجی تھیں۔ اگر تم لوگ ان کو لے جانا چاہتے ہو تو پہلے چل کر گاؤں والوں سے پوچھ لو۔ پھر لے جانا۔”

ڈاکوؤں کو نئھے بچ کی ان بھولی باتوں پر بے اختیار ہنسی آگئی۔  
انہوں نے بچے کو کچھ نہ کہا اور بکریاں لے کر چلنے لگے۔  
جب بچے نے دیکھا کہ ڈاکوؤں نے میری بات نہیں مانی اور  
بکریاں لیے جا رہے ہیں تو نئھا معصوم پھرتی کے ساتھ آگے بڑھا اور  
بکریوں کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

ڈاکوؤں نے کم سن بچے کی اس جرأت کو تعجب کے ساتھ دیکھا اور  
کہا: ”ہٹ جا اور ہمیں بکریاں لے جانے دے!“  
”نہیں! کبھی نہیں! مجھے مارڈا لو اور بکریاں لے جاؤ۔ جب تک  
میں زندہ ہوں بکریاں یہاں سے نہیں جائیں گی۔“ بچے کا جواب تھا۔  
ڈاکو حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تنکنے لگے۔ اتنا چھوٹا سا کمزور  
بچہ اور اتنا دلیر!

نہایت تعجب کے ساتھ قزاقوں کا سردار آگے بڑھا، بچے کو پیار کیا  
اور شفقت کے ساتھ پوچھا:-

”میاں تم کس کے لڑکے ہو؟“  
بچے نے جواب دیا۔ ”عبدالمطلب کا“  
سارے عرب میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو عبدالمطلب کے نام  
سے واقف نہ ہو۔ سنتے ہی ڈاکو بولا:-

”بے شک سردارِ قریش کے لڑکے کو ایسا ہی بہادر ہونا چاہیے۔  
نخھے بہادر! میں تمہاری دلیری کی قدر کرتا ہوں۔ اور محض تمہارے لئے  
بکریوں کو چھوڑتا ہوں۔ تمہاری پیشانی کا نور کہہ رہا ہے کہ جب تم بڑے  
ہو گے تو نہ صرف بنوہاشم بلکہ سارا عرب تمہاری ذات پر فخر کرے گا۔ تمہارا  
نام کیا ہے؟“

”محمد ﷺ“

”محمد ﷺ!، محمد ﷺ! کیسا عجیب اور کتنا پیارا نام ہے! ڈاکو  
نے مزے لیتے ہوئے کہا۔

”اچھا نخھے بہادر! سلام“ یہ کہتے ہوئے ڈاکو خست ہو گئے۔

## فرشتوں کا نزول (15)

اس قصہ کے تھوڑے دنوں بعد ایک اور عجیب واقعہ پیش آیا۔  
معمول کے موافق ایک روز نخا مُحَمَّد صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ گاؤں کے بچوں کے ساتھ بکریاں چرانے جنگل میں گیا ہوا تھا۔ کہ ناگاہ دو آدمی سفید برّاں لباس پہنے آئے ان کی صورتیں بڑی نورانی اور دلکش تھیں۔

آتے ہی دونوں آدمیوں نے دوسرے لڑکوں کو تو کچھ نہ کہا۔ مگر ننھے مُحَمَّد صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ کو پکڑ لیا۔ اور اس کو زمین پر لٹا کر ایک تیز خنجر سے اُس کا سینہ چاک کیا اور اُس دل میں سے کوئی چیز نکال کر باہر پھینک دی۔ بعد ازاں دل کو باہر نکال کر ایک طشت میں رکھ دیا اور نہایت شفاف پانی سے اُسے دھویا دھوتے دھوتے جب دل موتی کی طرح جمکنے لگا تو اُسے سینے کے اندر رکھ کر جوڑ دیا اور واپس چلے گئے۔

گاؤں کے بچوں اور حلیمه کے لڑکے عبد اللہ نے جو یہ واقعہ دیکھا تو مارے خوف کے اُن کا براحال ہوا۔ ہانپتے کا نپتے گاؤں میں پہنچے اور حلیمه سے جا کر کہا بڑا غضب ہو گیا۔ جنگل میں ہم اپنے قریشی بھائی مُحَمَّد صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ کے ساتھ بکریاں چرار ہے تھے کہ یک دفعہ ہی پہاڑ کے ایک درّے میں سے دو نہایت خوبصورت آدمی ہماری طرف آئے ہم نے ان کی خوشنما داڑھیوں

پا کیزہ شکل و صورت اور لمبے لمبے چوغوں سے اُن کو بہت بزرگ اور نیک آدمی سمجھا، مگر آہ وہ نہایت طالم اور قصائی ثابت ہوئے انہوں نے آتے ہی ہمارے قریشی بھائی کو پکڑ لیا اور ایک لمبے چھرے سے اس کا پیٹ پھاڑ دیا۔ ہم اتنا دیکھتے ہی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے کہ کہیں ہم کو بھی پکڑ کر ذبح نہ کرڈیں۔ نہ معلوم ہمارے آنے کے بعد کیا معاملہ ہوا؟

یہ روح فرسان خبر سُن کر حلیمه کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور اس کی پریشانی کی حد نہ رہی۔ اُس وقت اُس کو اپنے پیروں کے نیچے سے زمین نکلتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ افتاد و خیز اس میدان میں پکنی۔ وہاں دیکھا تو اُس کا نخا محمد ﷺ اکیلا کھڑا تھا۔

حلیمه نے دوڑ کر معصوم پچے کو چھاتی سے لگایا۔ پریشانی چومی اور کہنے لگی:- ”میرے پیارے بیٹے! کیا بات ہوئی؟“  
پچ نے جو کچھ گز راتھا حلیمه کو سنادیا۔

حلیمه نے سوچا کہ نہ کہیں خون گرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ نہ پانی پڑا ہوا کہیں نظر آتا ہے۔ نہ کہیں آدمیوں کے قدموں کے نشانات زمین پر معلوم ہوتے ہیں۔ نہ جو چیز انہیں نے باہر نکال کر پھینکی تھی وہ موجود ہے۔ نہ سینے پر کوئی زخم یا نشان ہے۔ ہونہ ہو کسی جن یا بھوت کا سایہ پچ پر ہو گیا ہے۔ اگر کوئی واقعہ ہو گیا تو میں اُس کی ماں کو کیا منہ دکھاؤں گی؟

اس کے بعد حلیمہ نے بچے کو اپنے ساتھ گھر لے آئی اور اپنے شوہر سے کہا:- ”میرا تو اس وقت کیجہ دہل رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہوا؟ لیکن بظاہر مجھے آثار کچھ اچھے نظر نہیں آتے۔ مناسب یہی ہے کہ بچے کو فوراً اس کی والدہ کے پاس پہنچا دیا جائے۔ اس کی جگہ ایسی بے شک ہم پر شاق گزرے گی لیکن اگر بچہ ضائع ہو گیا تو پھر کیا ہو گا؟“

شوہر نے کہا:- ”ہاں مجھے تمہاری رائے سے اتفاق ہے۔ آج ہی اسے لے جا کر اس کی ماں کے سپرد کر آؤ۔“

حلیمہ نے بچے کو ساتھ لیا اور مکہ لا کر ان کی والدہ کے حوالے کر دیا۔ حضرت آمنہ نے واقعہ پوچھا تو حلیمہ نے کہا:- ”مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بچے پر کسی جنّ کا اثر ہو گیا ہے۔“

حضرت آمنہ مسکرا کیں اور فرمانے لگیں:- ”ایسا خیال نہ کرو، میرا بچہ ہرگز ضائع نہ ہو گا، بلکہ بڑی شان والا انسان ثابت ہو گا۔ میں نے اُس کی پیدائش کے وقت بڑے عجیب عجیب خواب دیکھے ہیں،“

تاریخ میں یہ قصہ واقعہ شق صدر کے نام سے مشہور ہے۔

یہ تھا میرے آقا علی اللہ کا سب سے پہلا کشف جو ایسا اعلیٰ درجہ کا تھا کہ وہ ساتھ کے دوسرا بچوں کو بھی نظر آیا۔

## ماں کی جدائی (16)

اب نہما معمصوم اپنی ماں کے پاس رہنے لگا شاید ہی کسی ماں کو اپنے بیٹے سے اتنی محبت ہو گی جتنی آمنہ کو اپنے بیتیم بچے سے تھی۔ مگر مر حوم شوہر کی موت کا صدمہ بھی ایسا نہ تھا جو کسی وقت اُن کے دل سے دور ہوتا ہو۔ جب بھی بیتیم بچے پر نظر پڑتی، بے اختیار اُس کے والد یاد آ جاتے اور طبیعت بے چین ہو جاتی۔

ایک دن جب شوہر کی یاد نے بہت ہی ستایا تو حضرت آمنہ نے ارادہ کیا کہ لا وَمَدِینَةٌ چل کر رُّؤْنَ کی قبر ہی کی زیارت کر آؤں۔ شاید اسی سے دل کو کچھ ڈھارس ہو۔

چنانچہ وہ اپنے لخت جگر کو ساتھ لے کر مدینہ گئیں اور وہاں اپنے رشتہ داروں کے ہاں ایک مہینے تک رہیں۔

مدینہ کے قیام میں اُن کا یہ روزانہ کامعمول تھا کہ شوہر کی قبر پر جاتیں اور درینک وہاں بیٹھی رہتیں۔

ایک مہینے تک مدینہ میں رہنے کے بعد انہوں نے واپس آنا چاہا اُن کو زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ ایک قافلہ مکہ آرہا تھا، اُس کے ساتھ حضرت آمنہ بھی اپنے بیٹے کو لے کر روانہ ہو گئیں۔

مدینہ سے روانہ ہو کر جس وقت قافلہ مقام ابواء پر پہنچا تو دفعتاً حضرت آمنہ بیمار ہو گئیں اور ایسی بیمار ہوئیں کہ ان کو اپنی زندگی کی آس نہ رہی۔ جب آمنہ کو محسوس ہوا کہ میرا آخری وقت آگا تو بڑی حسرت کے ساتھ انہوں نے اپنے لخت جگر کی طرف دیکھا۔ چھوٹا معمصوم بچھم کی تصویر بناسا منے کھڑا تھا۔ ماں نے اشارہ سے بلا یاد وڑ کر چھاتی سے چھٹ گیا۔

ماں کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو ہنئے لگے۔ ذرا خیال تو کرو۔ کتنا درد انگیز یہ نظارہ تھا۔ ماں سینکڑوں امنگوں اور ہزاروں تمباوں کو ساتھ لے کر دنیا سے جارہی ہے۔ نہ معلوم کیا کیا خیالات اُس کے دل میں گزر رہے ہیں۔ اپنے معمصوم لال کو اس لق و دق صحرائیں بے یار و مددگار چھوڑے جانے کا صدمہ اس کی روح کو تڑپا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر کہ اس ہولناک وادی میں چھ برس کی جان کس طرح زندہ رہے گی اور میرے بعد اس پر کیا بیتے گی۔ اُس کا دل پاش پاش ہو رہا ہے۔ مگر موت نہ کسی کی امنگوں کی پرواہ کرتی ہے نہ حستوں کی۔ وہ نہ بادشاہوں کو چھوڑتی ہے نہ فقیروں کو، نہ امیروں سے رعایت کرتی ہے نہ غربیوں سے۔

تحوڑی دیر بعد آمنہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہو گئیں اور

اپنے لال کو اکیلا جنگل میں چھوڑ گئیں۔ کتنا رقت خیز تھا یہ وقت کہ ماں کی لعش پر اس کا لاڈلا بچہ حیران پریشان کھڑا ہے۔ آنکھوں سے آنسو نکل رہے ہیں اور دل غم و رنج سے بھرا ہوا ہے۔ وہ سوچ رہا ہے کہ یہ کیا ہو گیا؟ اور میں اب کہاں جاؤں؟

باپ پیدا ہونے سے پہلے ہی چلا گیا۔ ماں 6 سال کی عمر میں داعیٰ مفارقت دے گئی۔ یہ تھا ہمارے آقا ﷺ کا بچپن!

قالہ والوں نے غریب الوطن کو وہیں جنگل میں دفن کر دیا اور یتیم بچہ کو مکہ لا کر اُس کے دادا کے حوالے کر دیا۔

## دادا کا انتقال (17)

عبدالمطلب کے اگرچہ گیارہ بارہ لڑکے تھے مگر ان کو سب سے زیادہ محبت اپنے معصوم اور یتیم پوتے سے تھی۔ اپنے ساتھ کھلاتے، اپنے ساتھ سُلا تے اور ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے، چونکہ قریش کے سردار اور نہایت باوقار بزرگ تھے۔ اس لئے کعبہ کے اندر قالین بچھا کر بیٹھتے تھے اور کسی کی مجال نہ تھی کہ قالین پر ان کے ساتھ بیٹھ سکے۔ مگر ان کا یتیم پوتا قالین پر بلا تکلف دادا کے پاس جا بیٹھتا۔ ایک آدھ مرتبہ کسی نے ٹوکا تو عبدالمطلب نے فرمایا:-

”اسے کچھ نہ کہو، یہ تو میرے پاس ہی بلدھے گا۔“

مگر افسوس! دادا کی الْفَت و شفقت کا زیادہ مزہ پوتے کو اٹھانا  
نصیب نہ ہوا۔ ابھی دو برس بھی نہ گزرے تھے کہ ان کو پیغامِ اجل آگیا۔  
جب سردارِ قریش نے دیکھا کہ اب مرنے لگا ہوں تو ان کو یہ فکر  
ہوئی کہ میرے بعد اس معموم بچے کا کیا بنے گا۔ جس کی عمر ابھی صرف  
آٹھ سال کی ہے۔ کہاں کہاں کی ٹھوکریں کھائے گا؟ اور کس طرح اس  
بے چارگی کے عالم میں اپنی زندگی گزارے گا؟ اس لیے انہوں نے چاہا  
کہ اپنے بیٹوں میں سے کسی کو اس کا سرپرست اور نگران مقرر کر دیں۔

”انہوں نے اپنے سارے بیٹوں کو طلب کیا اور وہ سب آکر بیمار باپ کے سامنے بیٹھ گئے۔

اب عبدالمطلب اپنے پوتے سے مخاطب ہوئے اور کہنے لگے۔

”میرے پیارے بیٹے! میں نے جہاں تک میرے امکان میں تھا، تمہاری اچھی طرح پروش کی اور ہر طرح تمہارے آرام کا خیال رکھا۔ میری بڑی خواہش یہ ہے کہ تم دنیا میں نہایت مشہور انسان بنو اور تمام جہاں تمہارے کارنا موں کی تعریف کرے۔ جب تم پیدا ہوئے تھے تو میں نے اسی خیال سے تمہارا نام محمد ﷺ رکھا تھا۔ میری تمنا تھی کہ میں اپنی زندگی میں تمہارا عروج دیکھ لیتا، مگر افسوس! یہ خوشی میری تقدیر میں نہ تھی، میں اب مرنے لگا ہوں اور اپنی اس آرزو کو اپنے ساتھ قبر میں لے جاؤں گا۔

تمہارے سارے چچا اس وقت تمہارے سامنے بیٹھے ہیں، میرے بعد تم جس کے ہاں رہنا چاہو، اُس کے پاس چلے جاؤ، آئندہ کے لیے وہی تمہارا انگر ان اور سر پرست ہو گا۔

دادا کی یہ تقریر سن کر پوتے کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، مگر چارہ کار کیا تھا، رقت بھرے دل کے ساتھ سارے چچاؤں کو دیکھا اور پھر ابوطالب کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔

ابوطالب نے بڑی محبت کے ساتھ بھیج کو پیار کیا اور اپنی گود میں

بُطھا لیا۔

عبدالمطلب نے یہ دیکھا تو فرمانے لگے:-

”ابو طالب! میں اپنی یہ زندہ نشانی تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ اس کو اپنے مرحوم بھائی کی یادگار کے طور پر اپنے پاس رکھنا اور اس کی دلجوئی میں کسی طرح کی کمی نہ کرنا۔ باپ کو اس نے نہیں دیکھا، ماں کی محبت کا مزہ اس نے زیادہ دن تک نہیں اٹھایا۔ غرض دنیا کی کوئی راحت اس نے نہیں پائی اور پہم صدمات سے اس کا دل شیشے سے بھی زیادہ نازک ہو گیا ہے۔ دیکھنا کہیں اس شیشے کو ٹھیس نہ لگ جائے۔ تم میرے سامنے اقرار کرو کہ اپنے یتیم اور بے کس بھتیجے کی پوری حفاظت کرو گے اور اس سے ہمیشہ نہایت محبت اور الْفت سے پیش آؤ گے اور اپنے بیٹوں سے زیادہ اس کا خیال رکھو گے۔

سعادت مند بیٹے نے نہایت ہی صدق دلی کے ساتھ اپنے بھتیجے کی حتی الامکان نگہداشت کا اقرار کیا۔ آنے والے زمانہ نے بتلا دیا کہ جو وعدہ حضرت ابو طالب نے اپنے والد سے کیا اس سے بہت زیادہ کر کے دکھادیا۔

ابو طالب! ہمارے سرتیری تعظیم و تکریم میں جھگ جاتے ہیں۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ تو نے ہمارے پیارے آقا علیہ السلام کی ایسی بے نظر

پرورش کی کہ اس سے زیادہ خیال میں نہیں آتی۔

اس موقع پر یہ لطیفہ بیان کرنے کے قابل ہے کہ جب عبدالمطلب نے پوتے کی کفالت کے لئے اپنے بیٹوں کو جمع کیا تو سب سے زیادہ ابوالہب کو اس بات کی خواہش تھی کہ یتیم بھتیجا میرے پاس رہے۔ کیونکہ اس کو آپ ﷺ سے بہت محبت تھی اور جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تھے تو اُس نے خوش ہو کر اُس لوڈی کو آزاد کر دیا تھا جو بھتیجے کی ولادت کی خوش خبری اُس کے پاس لائی تھی۔

زمانہ کی نیرنگیاں عجیب ہیں۔ اسی چھپا کو جب بھتیجے نے اپنی نبوت کی خوش خبری سنائی تو محبت کرنے والا چھا بدترین دشمن ہوا۔

فَاغْتَبِرُوا يَا أُولَى الْأَبْصَارِ

## مقدس لڑکے کی پہلی دعا (18)

اب یتیم بچہ اپنے چچا کے پاس رہنے لگا۔ چچا نے فی الحقيقة اپنے بچوں سے زیادہ اُس کی دلجوئی کی۔ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے۔ جہاں تک اُن سے بنتا اس کے آرام و راحت کا خیال رکھتے اور کوئی بات کبھی اس کی مرضی کے خلاف نہ کرتے۔

بھتیجے کی عادتیں ایسی اعلیٰ درجہ کی اور اتنی پاکیزہ تھیں کہ ابو طالب دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے تھے۔ اُن کو نہ صرف بھتیجے سے محبت تھی بلکہ اُن کے دل میں اُس کی بزرگی کا بھی سلکہ بیٹھا ہوا تھا۔ چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ملکہ میں سخت قحط پڑا کیونکہ بارش نہ ہوئی تھی اور ایک قطرہ بھی آسمان سے نہ بر ساتھا۔

مکہ والے نہایت پریشان ہوئے کہ کیا کریں۔ ابو طالب نے اس موقع پر اپنے بھتیجے سے کہا کہ:-

”میاں لوگ پانی کے بغیر بے حد مضطرب ہیں۔ تمہارا دل معصوم اور زبان پاک ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری زندگی بڑی عجیب زندگی ہے۔ شہروالوں کو ساتھ لے جاؤ اور جنگل میں جا کر پانی کے لئے خدا سے دعا مانگو۔“

بھتیجے نے کہا:- ”چچا! میں کیا اور میری دعا کیا؟ یہ کام تو بڑے اور بزرگ آدمیوں کا ہے، میں تو ابھی بچہ ہی ہوں۔ مگر آپ کے حکم کی تعییل سے مجھے انکار نہیں۔ چلیے میں دعا مانگتا ہوں۔ کیا عجب کہ خدا مجھے کمزور کی دعا سن لے اور قحط دور ہو جائے۔“

چنانچہ اہلِ مکہ کے سارے معزز اصحاب کے ہمراہ ہمارا نھما آقا ﷺ جنگل میں گیا اور سارے مجمع کے آگے کھڑے ہو کر اُس نے اپنے ننھے ننھے ہاتھ دعا کے لیے آسمان کی طرف اٹھا دیئے۔

بادلوں کے فرشتے شاید اس بات کے منتظر ہی بیٹھے تھے۔ دعا مانگتے ہی اتنی بارش ہوئی کہ قحط کی ساری تکلیف دُور ہو گئی اور مکہ والوں کے سُو کھے دھانوں میں پانی پڑ گیا۔

قریش کو آج پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ اُن میں ایک مقدس لڑکا موجود ہے۔

یہ تھی اس مقدس لڑکے کی پہلی دعا۔

## معصوم بچے کا ارادہ (19)

ایک چھوٹا بچہ جس کی عمر مشکل سے نو دس برس کی ہو گی۔ ایک لڑکے کے ساتھ مکہ سے باہر پہاڑی میدانوں میں بکریاں چرایا کرتا تھا۔ شہر کی حالت یہ تھی وہاں روزانہ مختلف گھروں میں قصہ خوانی کی مجلسیں اور شعروخن کی مخلفیں نہایت زور شور سے منعقد ہوتی تھیں۔ جن میں بزرگوں کی کہانیاں اور ان کی بہادری، دلاوری اور شجاعت کی داستانیں بڑے رنگیں الفاظ میں بیان کی جاتی تھیں اور شعروخن کی داد دی جاتی تھی۔

لوگ ذوق و شوق کے ساتھ ان محفلوں میں شریک ہوتے تھے۔ اور سارا وقت شراب خوری، عیش و عشرت اور ہوا و ہو میں گزار دیتے تھے۔ چھوٹے بچے کو یہ سب کچھ معلوم تھا، مگر وہ ابھی تک ان میں سے کسی محفل میں شریک نہیں ہوا تھا۔

لیکن آخر وہ بچہ تھا اور انسان کا بچہ تھا۔ اس کے زمانہ کے سارے لوگ اسی آب و ہوا میں پرورش پا کر جوان ہوئے تھے۔ ہر ایک پر یہی نشہ سوار تھا، پھر خود اس کے پہلو میں بھی دل تھا۔ جس میں بچپن کے جذبات شوق اور امنگیں محل رہی تھیں۔

چھوٹے بچے نے سوچا کہ لا کیوں نہ میں بھی تھوڑی دیر کے لئے

کسی ایسی محفل کا لطف اٹھاؤں؟ ذرا دیکھ تو آؤں ان مجلسوں میں ہوتا کیا ہے؟

یہ سوچ کر چھوٹے بچے نے اپنے ساتھی سے کہا:-

”دوست! میرا دل آج شہر کی مجلس دیکھنے کو چاہ رہا ہے مگر مشکل یہ ہے کہ ان بکریوں کا کیا کروں جو پڑانے کے لیے میرے سپرد کی گئی ہیں؟ میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے۔ اگر تم میری بکریوں کی حفاظت کا وعدہ کرو تو میں ذرا کی ذرا شہر جا کر ان مجلس کا لطف اٹھا آؤں۔ اس کے بعد لے کل تم شہر ہوآنا۔ میں تمہاری بکریوں کی حفاظت کروں گا۔“

ساتھی نے بات مان لی اور چھوٹا بچہ شہر کے سیر تماشے میں شریک ہونے کے لیے خوشی خوشی روانہ ہو گیا۔ مگر ابھی شہر میں داخل نہیں ہوا تھا کہ شہر کے کنارے پر ایک مکان میں کچھ آدمی جمع نظر آئے۔

بچہ نے کسی سے پوچھا:- ”یہاں کہا ہو رہا ہے؟“

لوگوں نے کہا:- ”ایک شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں؟“  
چھوٹا بچہ بغیر کسی خیال کے گھر کے اندر چلا گیا۔ وہاں فرش بچھا ہوا تھا اور لوگ دو لہا کے آنے کے منتظر بیٹھے تھے۔ بچہ بھی فرش پر بیٹھ گیا۔

اس کے بیٹھتے ہی خدا نے ہواوں کے فرشتے کو حکم دیا کہ ایسی ہلکی اور ٹھنڈی ہوا چلا کر بچے کو نیند آجائے۔

حکم کی تعییل میں فوراً ہوا چلنے لگی اور بچہ فرش پر لیٹ کر سو گیا۔  
 جب اُس کی آنکھ کھلی تو شام ہو چکی تھی اور سورج سامنے کی پہاڑی  
 میں غروب ہو رہا تھا۔  
 بچہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا اور بکریوں کی فکر میں جلدی جلدی جنگل کو چلا  
 گیا۔ تجربہ ناکامیاب ہوا۔  
 بچے نے سوچا، آج تو نیند آگئی اور کسی محفل میں شریک نہ ہو سکا  
 اچھا پھر کسی روز سکی۔

ایک اور دن جبکہ موسم بہت خوشگوار تھا۔ چھوٹے بچے نے بکریاں  
 اپنے ساتھی کو سونپیں اور خود شہر کو چل دیا۔ مگر اُس روز کچھ ایسا ہی اتفاق  
 پیش آیا اور چھوٹا بچہ کسی محفل میں شریک نہ ہو سکا۔  
 اس کے بعد اُس لڑکے کو اس قسم کی مغلولوں سے کچھ نفرت سی ہو گئی  
 اور اُس نے پھر کبھی ان میں شمولیت کا ارادہ نہیں کیا۔

جانتے ہو یہ چھوٹا بچہ کون تھا۔ یہ تھا میرا پیارا آقا محمد مصطفیٰ علیہ السلام

## پچ کا پہلا سفر (20)

قریش کی ساری قوم تجارت پیشہ تھی۔ ہر سال اُن کے تجارتی  
قالے شام، عراق، فلسطین اور مصر تک جایا کرتے تھے اور دوسری طرف  
ہندوستان سے لے کر چین تک کے ممالک سے اُن کے تجارتی تعلقات  
قام تھے۔ جو چیزیں دوسرے ملکوں میں ہوتیں وہ خریدلاتے جو اپنی چیزیں  
لے جاتے وہ دوسرے ملکوں میں نج آتے۔

تجارت میں قریش کو ایک بڑی آسانی یہ تھی کہ اگرچہ عرب میں  
اُس وقت عام طور پر لوٹ مار کی گرم بازاری تھی۔ افراد چھوڑ قالے تک بھی  
ڈاکوؤں، رہنوں اور لیڑوں سے امن میں نہ تھے۔ جو بھی ہتھے چڑھ جاتا  
اُسے لوٹ لیتے۔ جو مقابلہ سے پیش آتا، فوراً اُس کا صفا یا کر کے رکھ دیتے  
اُن کو نہ لوٹ مار سے کچھ شرم تھی، نہ قتل و غارت سے کچھ عار۔ غرض

— وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے

درندے ہوں جنگل کے بے باک جیسے

مگر قریش چونکہ کعبہ کے متولی تھے اور کعبہ کی تعظیم عرب کا ہر شخص  
کرتا تھا۔ اس لئے قریش کا سارے عرب کے لوگوں میں خاص ادب  
تھا اور اسی احترام کا نتیجہ تھا کہ قریش کے تجارتی قالے صحراؤں کو عبور

کرتے، جنگلوں میں سفر کرتے، وادیوں میں پھرتے اور بیابانوں میں سے گزرتے تھے۔ مگر انہیں کوئی کچھ نہ کہتا تھا۔ وہ امن و اطمینان کے ساتھ مالِ تجارت سے لدے پھندے سے بیرونی ملکوں میں جاتے اور وہاں سے مال لَا کر مکہ میں آتے۔ خیریت سے جاتے اور خیریت سے چلے آتے تھے۔

اُس مار دھاڑ اور لوٹ گھسوٹ کے پُر آشوب زمانہ میں یہ امن ہزار غنیمت تھا۔

ابو طالب بھی اسی قوم کے ایک معزز فرد تھے اور اکثر تجارت کے لئے قافلہ کے ساتھ شام جایا کرتے تھے۔

اپنے والد کے انتقال کے بعد جب اُن کو شام کا تجارتی سفر پیش آیا تو اُس وقت اُن کے بھتیجے کی عمر دس برس کی تھی۔

ابو طالب کو اگرچہ بھتیجے سے کمال درجہ محبت تھی اور وہ ان کو اپنے سے جدا کرنا نہیں چاہتے تھے۔ مگر راستہ دشوار اور منزل کھنکھن تھی اور بھتیجے کی ذرا سی تکلیف بھی چھا کو گوارانہ تھی۔ اس لیے انہوں نے چاہا کہ بھتیجے کو گھر پر ہی چھوڑ جائیں اور اُس کے دوسرے چھاؤں کو اس کی حفاظت اور خبرگیری کی تاکید کر جائیں۔ چنانچہ سفر کی تیاریاں ہوتی رہیں سامان بندھتا رہا اور یہ سب کچھ نہیں بچ کے سامنے ہوتا رہا مگر وہ کچھ نہ بولا اور چُپ رہا۔

جب روانگی کا وقت آیا اور ابو طالب اونٹ پر چڑھ کر جانے لگے تو بھتیجے نے آگے بڑھ کر اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور بڑے ہی درد بھرے الجہ میں کہا:-

”چچا! آپ تو جا رہے ہیں مگر مجھے کس پر چھوڑ چلے؟“

یہ کہتے کہتے بچے کے آنسو نکل آئے۔

یہ الفاظ نہیں تیر تھے جو بھتیجے کے منہ سے نکلے اور چچا کے دل میں پیوسست ہو گئے۔

ابو طالب کا جی بھتیجے کی بے کسی پر کٹ گیا فوراً اونٹ کو بٹھایا اور اتر کر بھتیجے کو چھاتی سے لگایا، پیار کیا اور فرمانے لگے:- ”نہیں بیٹا! رومت، میں تجھے رنجیدہ نہیں دیکھ سکتا، چل میرے ساتھ ہی چل،“

یہ کہہ کر بھتیجے کو اونٹ پر اپنے آگے بٹھایا اور شام روانہ ہو گئے  
یہ تھا میرے آقا ﷺ کا پہلا سفر۔

## (21) جہالت کا کر شمہ

عرب کے لوگوں کی فطرت میں یہ بات داخل تھی کہ ہر وقت دنگا فساد، مارکٹائی اور قتل و غارت میں مشغول رہتے تھے۔ ذرا سی بات پر فوراً تلواریں کھینچ لیتے اور جدال و قتال کے لئے آستینیں چڑھا لیتے تھے۔ ان کی عجیب و غریب جہالت کا ایک دلچسپ واقعہ سنوا اور ان کی حماقت پر ہنسو! مکہ سے تین دن کے راستے پر مقام عکاظ میں ہر سال ایک مشہور میلہ لگا کرتا تھا جس میں سارے ملک سے لوگ جمع ہوتے۔ لین دین اور خرید و فروخت بھی خوب ہوتی اور بڑے بڑے خطیب، بڑے بڑے شاعر بڑے بڑے ادیب بھی اپنے کمالات کا اظہار کرتے۔ نہایت پُر زور قصائد پڑھے جاتے اور زبردست علمی مقابلے ہوتے تھے۔ پھر بڑے بڑے نقاد فیصلہ کرنے بیٹھتے اور جس شاعر کا قصیدہ سب سے اعلیٰ اور بہتر قرار پاتا اُسے لکھ کر بڑے فخر سے کعبہ میں لٹکا دیا جاتا۔ ایسے ایسے سات قصیدے کعبہ میں آویزاں تھے جنہیں سَبْعَةِ مُعَقَّةٍ کہتے ہیں۔

اس عکاظ میں حیرہ کا بادشاہ نعمان بن منذر اپنامال فروخت کرنے کے لیے بھیجا کرتا تھا۔ لیکن اسے یہ مال بڑی حفاظت کے ساتھ بھیجا پڑتا تھا۔ کیونکہ راہ میں لٹنے کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا۔

ایک سال جب اُس نے عکاظ میں مال بھیجنا چاہا تو دربار میں بیٹھ کر کہنے لگا:- ”میرے مال کی حفاظت کا ذمہ کون شخص لیتا ہے؟“ اُس وقت اُس کے دربار میں بنی کنانہ کا ایک آدمی براض بن قیس موجود تھا۔ یہ شخص بڑا فسادی، عیار، چالاک اور مکار واقع ہوا تھا۔ بادشاہ کے پوچھنے پر کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ ”حضور! بنی کنانہ کی طرف سے تو میں اس مال کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔“

نعمان نے کہا ”مجھے بنو کنانہ اور بنی قیس دونوں سے خطرہ ہے۔ کیا کوئی ایسا شخص میرے دربار میں موجود ہے جو دونوں قبیلوں سے میرے مال کی حفاظت کا ذمہ لے؟“

فوراً ایک سردار عروہ بن عتبہ کھڑا ہو گیا۔ یہ بنی قیس سے تھا۔ ”میں دونوں قبیلوں سے آپ کے مال کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔“ اس پر طیش میں بھر کر بڑا ض نے کہا: ”کیا بنی کنانہ کا بھی تو ذمہ لیتا ہے؟“

عروہ بولا:- ”اوکتے! بکواس نہ کر، میں نہ صرف دونوں قبیلوں سے بلکہ تمام جہان کے آدمیوں سے اس مال کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔“ مارے غصہ کے بڑا ض دیوانہ ہو گیا۔ مگر اُس نے بادشاہ کے حضور میں کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا اور خاموش ہو گیا۔

چونکہ عروہ نے مالِ تجارت کا ذمہ لیا تھا۔ اس لیے نعمان نے مال اُس کے حوالے کیا اور وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ سفر پر روانہ ہو گیا۔  
برّاض بھی اس کے پیچھے دربار سے نکلا اور اس تاک میں رہا کہ موقع لگے تو عروہ کا قصہ پاک کر دوں۔

دونوں کا سفر ساتھ ساتھ جاری رہا۔

خیبر کے قریب پہنچ کر وادیٰ یمن کی تہائی میں برّاض نے فال دیکھی کہ عروہ کو قتل کر ڈالنا چاہیے یا نہیں؟  
وہ فال دیکھ ہی رہا تھا کہ اتفاقاً عروہ آدھم کا اور پوچھنے لگا:- ”کیا کر رہے ہو؟“

برّاض نے جواب دیا:- ”فال دیکھ رہا ہوں کہ تجھے اس دنیا سے چلتا کر دوں یا نہیں؟ بول تیری کیا مرضی ہے فال دیکھوں یا نہیں؟“  
عروہ نے بے پرواٹی کے ساتھ ہنس کر کہا:- ”بھلا تیری کیا مجال ہے کہ میری طرف ٹیڑھی نگاہ سے بھی دیکھ سکے؟“  
اس پر برّاض نے ادھر ادھر دیکھ کر تلوار نکالی اور بڑی پھر تی کے ساتھ عروہ کے پیٹ میں بھونک دی۔

فوراً ہی اس قتل کی خبر مقتول کے آدمیوں کو ہو گئی۔ وہ قاتل کے پیچھے دوڑے مگر برّاض خیبر کی طرف فرار ہو چکا تھا۔

اب دوآدمی اسد بن جوین اور مسادر بن مالک اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے کہ جہاں پائیں اُسے عروہ کے قصاص میں مارڈا لیں۔ مگر بد قسمتی یہ ہوئی کہ دونوں آدمی براض کی شکل سے نا آشنا تھے۔ لیکن انہوں نے خیال کیا کہ آخر وہ خیر ہی گیا ہے۔ ہم خیر چل کر اُس کا پتہ نشان پوچھ لیں گے اور پھر موقع پر پہنچ کر اُسے مارڈا لیں گے۔

جب یہ دونوں خیر پہنچ تو اتفاقاً جو آدمی سب سے پہلے ان کو ملا، وہ کم بخت بڑا ضمیر ہی تھا۔

انہوں نے براض سے پوچھا:- ”میاں کیا تمہیں بڑا ضمیر کا بھی پتا ہے؟ وہ آج ہی کل میں یہاں آیا ہے۔“

برڑا ضمیر نے کہا:- ”ہاں کیوں نہیں، پتا تو ہے لیکن تم کو اس سے کیا کام ہے؟“

معلوم ہوتا ہے کہ دونوں آدمی بے وقوف بھی پر لے درجے کے تھے جھٹ کہنے لگے کہ ”وہ ہمارے سردار کو مار آیا ہے۔ لہذا ہم اُسے مارنے آئے ہیں۔“

اب تو بڑا ضمیر چوکتا ہوا۔ مگر اُس نے گھبراہٹ کو دبا کر بظاہر نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ ”بے شک براض خبیث ہے، ہی اس قابل کہ ایک ہی دار میں جہنم واصل کر دیا جائے۔ کم بخت سے ایک زمانہ نالاں ہے

آپ دونوں میرے ساتھ چلیں اور میرے ہاں قیام فرمائیں، میں آپ کو خود وہاں تک لے چلوں گا جہاں براض رہتا ہے اور اس کے قتل کرنے میں آپ کی امداد کروں گا۔“

آنے والے حادثہ سے بے خبر، دونوں براض کے ساتھ ہو لیے اور دل میں خوش تھے کہ بڑی آسانی سے کام بن گیا۔

براض اُن کو اپنے گھر لے گیا اور اُن کے قیام اور طعام کا انتظام کیا۔ اُن کے انٹوں کو بھی علیحدہ باندھ کر چارہ وغیرہ دے دیا۔ غرض اُن کی خوب آؤ بھگت کی۔

ایک دن تو خاطر تواضع میں گزارا دوسرا دن کہنے لگا:- ”تم دونوں میں سے جو نسبتاً زیادہ بہادر ہو اور جس کی تواریخی خوب تیز ہو وہ میرے ساتھ چلے تاکہ میں اُسے براض کا پیٹہ بتاؤں اور اُسے وہاں لے چلوں جہاں وہ بد بخت چھپا ہوا ہے۔

اس پر مسادر بولا کہ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں، یہ اسد یہیں رہے گا اور انٹوں کی رکھوالی کرتا رہے گا۔

مسادر کو ساتھ لے کر براض شہر سے نکلا اور کھنڈروں میں سے ہوتا ہوا ایک مقام پر پہنچ کر رُک گیا اور مسادر سے کہنے لگا ”اس سامنے والے کھنڈر میں براض رہتا ہے۔ تم یہاں ٹھہر دیں دیکھ آؤں کہ موجود ہے یا نہیں؟“

اس کے بعد مسادر کو اکیلا چھوڑ کر چلا گیا اور تھوڑی دیر میں واپس آ کر کہنے لگا کہ ”ہاں وہ موجود ہے اور اس وقت خوش قسمتی سے اُس کے قتل کا بہت عمدہ موقع ہے کیونکہ وہ بے خبر پڑا سور ہا ہے۔ ایک ہی وار میں اُس کا سرتن سے جدا ہو سکتا ہے۔ ذرا مجھے اپنی تلوار دکھا دو تاکہ میں دیکھ لوں کہ وہ کیسی کاٹ کرتی ہے؟“

نادان اور بھولے بھالے مسادر نے تلوار بڑا ض کے ہاتھ میں دے دی۔ تلوار لیتے ہی براض نے جھپٹ کر مسادر پروار کیا اور جس طرح بی بی اچانک کبوتر پر آپڑتی ہے۔ اسی طرح اُس نے مسادر پر حملہ کر کے اُس کا خاتمہ کر دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر اُس نے مسادر کی لاش اور اُس کی تلوار کو تو وہیں پتھروں میں چھپا دیا اور خود اُس کے دوسرے ساتھی اسد کے پاس آیا اور اُس سے کہنے لگا۔ ”میں نے تیرے ساتھی سے زیادہ ڈرپوک اور بزدل آدمی اس وقت تک کوئی نہیں دیکھا، میں اُسے براض کے گھر لے گیا۔ وہ اس وقت سور ہاتھا۔ میں نے اُس سے کہا ”دیکھتا کیا ہے؟“ تلوار کے ایک وار میں اُس سے ہمیشہ کی نیند سلا دے۔“ مگر اس سے کچھ بھی نہ ہو سکا، اب میں تجھے لینے آیا کے لیے ہوں۔ چل، تاکہ تینوں مل کر بڑا ض کا خاتمہ کر دیں۔“

اس داس کے ساتھ ہولیا اور اُس کا بھی وہی انجام ہوا، جو اس کے ساتھی کا ہو چکا تھا۔

اس کام سے فارغ ہو کر براض اونٹوں کو لے کر مکہ "معظمہ روانہ" ہو گیا۔

قریش اس وقت عکاظ کے میلے میں گئے ہوئے تھے۔ راستہ ہی میں اُس نے ایک آدمی کے ہاتھ قریش کو کھلا بھیجا کہ "میں نے عروہ کو قتل کر ڈالا ہے۔ غالب گمان ہے کہ اُس کا بدلہ بنی قیس تم سے لینا چاہیں گے۔ اس لیے ذرا ہوشیار رہنا۔"

یہ پیغام براض نے قریش کو بدیں وجہ بھیجا تھا کہ براض کی قوم یعنی بنی کنانہ اور قریش ایک دوسرے کے عزیز اور دوست تھے اور عرب میں عام رواج تھا کہ دشمن کے دوست کو بھی اپنا دشمن ہی سمجھتے اور اگر اصلی دشمن پر بس نہ چلتا تو دشمن کے دوست کی قوم پر حملہ کر کے جسے چاہتے مار ڈالتے۔

قریش کو جب براض کا یہ پیغام پہنچا تو وہ جلدی جلدی اپنے آدمیوں کو عکاظ میں سے سمیٹ کر مکہ "کوروانہ" ہو گئے لیکن اتنی دیر میں بنی قیس کو عروہ کے قتل کی خبر مل چکی تھی۔ وہ دوڑے کہ قریش میں سے جتنے آدمی مل سکیں فوراً عروہ کے قصاص میں قتل کر ڈالیں۔

مگر اتنے میں قریش بھاگ کر خانہ کعبہ میں پناہ لے چکے تھے۔  
 جو شخص خانہ کعبہ چلا جاتا، عرب اُسے نہیں مارتے تھے۔ اس لیے  
 بنی قیس اُلٹے لوٹ گئے، مگر یہ کہتے آئے کہ عروہ کا خون رایگاں نہیں جائے  
 گا۔ اگلے سال عکاظ کے میلے پر ہم سے لڑنے کے لیے تیار رہو۔  
 اب تو قریش کو مجبوراً جنگ کی تیاری کرنی پڑی۔ چنانچہ دونوں  
 طرف سے پورا سال جنگ کی تیاری میں گذر گیا۔  
 جب دوسرا سال شروع ہوا، تو بنی قیس، بنی ہوازن کو ساتھ لے کر  
 لڑنے کے لئے آ موجود ہوئے۔

یہ مہینہ ایسا تھا کہ عرب اس مہینے میں لڑائی بھڑائی بند رکھتے تھے۔  
 مگر بنی قیس نے اس کی پرواہ نہ کی اور جنگ کے لئے کیل کائنٹ سے لیس  
 ہو کر آگئے۔ قریش مجبوراً میدان میں نکلے، ہر فریق جوش و خروش سے بھرا  
 ہوا تھا۔ بڑے بڑے سرداروں نے حلف اٹھائے کہ لڑ کر مارے جائیں  
 گے، مگر قدم پیچھے نہیں ہٹائیں گے۔

تحوڑی دیر کے بعد جنگ شروع ہو گئی۔ بڑے گھمسان کارن پڑا۔  
 اور نعماں بن منذر کے دربار میں معمولی سی جھٹپ پ بڑا خطرناک رنگ  
 لائی۔ اتنا کشت و خون ہوا کہ خدا کی پناہ۔

یہ لڑائی جاہلیت کی لڑائیوں میں بڑی خوب ریز جنگ تھی اور تاریخ

میں حرب فجار کے نام سے مشہور ہے۔

جب دونوں طرف کے بہادر لڑتے لڑتے تھک گئے اور ہزاروں آدمیوں کا صفائیا ہو چکا، تب بنی قیس کو اپنی ہار ماننی پڑی۔ وہ عروہ کے قصاص سے دست بردار ہوئے اور قریش کی فتح ہوئی۔

مگر صلح اس بات پر ہوئی کہ دونوں طرف کے جتنے آدمی قتل ہوئے ہیں، ان کو الگ الگ شمار کیا جائے۔ جس قبیلے نے دوسرے قبیلے کے زیادہ آدمی مارے ہوں، وہ زائد آدمیوں کو خون بہا ادا کرے۔

جب مردہ شماری ہوئی تو معلوم ہوا کہ قریش نے بنو قیس کے بیس آدمی زیادہ قتل کیے ہیں۔ لہذا قریش کو بیس مقتولوں کا خون بہا ادا کرنا پڑا۔ اس کے بعد دونوں فریق ٹھنڈے ٹھنڈے گھر کو سدھا رے۔

اس جنگ کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ابو طالب کا مقدس بھتیجا بھی قریش کے ساتھ تھا۔ اُس وقت اس کی عمر چودہ، پندرہ برس یا بعض روایات کے بموجب انیس، بیس سال کی تھی مگر اس بات پر سب تذکرہ نویس متفق ہیں کہ مقدس لڑکے نے اپنے ہاتھ سے کسی شخص کو قتل نہیں کیا، نہ کسی پرتلوار اٹھائی، صرف میدانِ جنگ میں اپنے پچاؤں کو تیر اٹھا کر لادیا کرتے تھے۔

یہ تھی پہلی جنگ جس میں ہمارے آقا علیہ السلام نے شرکت کی۔

## نوجوان کا حلف (22)

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب قوم کے لوگ ظلم و جبر اور قتل و غارت کرتے کرتے تھک جاتے ہیں تو پھر انہی میں سے بعض ایسے اشخاص پیدا ہو جاتے ہیں جو ظلم کرو کرنا اور قتل غارت کو بند کرنا چاہتے ہیں، تاکہ دنیا کو کچھ آرام و سکون میسر آئے۔

بالکل یہی حال عرب کا ہوا۔ وہ لوگ صدیوں اس حال میں مبتلا رہے کہ دوسروں کا مال مار لیتے۔ کمزور کا حق دبایتے اور قتل و غارت کر کے اپنا پیٹ بھر لیتے۔

جب یہ حالت انتہا کو پہنچ گئی تو پھر انہی میں سے بعض نیک دل اور شریف طبع لوگوں کو خیال آیا کہ یہ تو بڑا غضب ہے۔ پوری قوم تباہی اور ہلاکت کے گڑھے میں گری جا رہی ہے۔ جس کی لاٹھی اُس کی بھنس والا معاملہ ہو رہا ہے۔ قوی ضعیف کو کھائے جا رہا ہے اور کمزور طاقتوں کے نیچے دبا رہا ہے۔ آپس کی آئے دن کی خانہ جنگلیوں اور لوٹ مار سے سینکڑوں گھرانے بتاہ ہو گئے اور ہزاروں بچے بیتیم ہو کے رہ گئے ہیں۔ اس طرح تو ایک دن سارا ملک بتاہ ہو جائے گا۔ لاؤ کوئی ایسی تدبیر کریں کہ لوگوں کو اس ظلم و زیادتی اور جبر و سختی کی زندگی سے امن ملے۔ چنانچہ بعض ذی اثر

اور با اقتدار سردار جن کے نام فضیل بن حارث، فضیل بن وداعہ اور مفضل بن فضالہ وغیرہ تھے۔ ایک جگہ جمع ہوئے اور باہم ایک معاہدہ کیا، جس میں اس بات پر حلف اٹھائے کہ آج سے یہ سفا کی، ظلم اور زیادتی بند کی جائے۔ جو شخص اپنے سے کمزور پر ظلم کرے اُسے طاقت سے روک دیا جائے، جو مظلوم ہو اُس کی مدد کی جائے، جس کا حق ناقص چھینا گیا ہو اُس کا حق دلوایا جائے، جو شخص لوگوں پر ظلم و ستم کرتا ہو اُسے مکہ سے نکال دیا جائے۔

چونکہ ان حلف اٹھانے والوں میں اکثر کا نام فضل پر تھا اس لیے اس واقعہ کا نام 'حلف الفضول' رکھا گیا اور یہ تاریخ میں اسی نام سے مشہور ہے۔

چونکہ اس معاہدہ میں مکہ کے تمام بڑے بڑے سردار شریک تھے اور انہوں نے بڑے جوش کے ساتھ حلف اٹھائے تھے، اس لئے شہر کے مظلوم اور بیکس اور کمزور لوگوں کو توقع ہو گئی کہ اب ہمیں زبردستوں کے چنگل سے نجات مل جائے گی۔

لیکن عرب کی حالت اتنی گندی اور اس قدر خراب ہو چکی تھی اور طبیعتیں اتنی پست اور ذہنیتیں ایسی مسخ ہو چکی تھیں کہ یہ معاہدہ پانی کا بلبلہ ثابت ہوا اور تھوڑے دنوں بعد نہ کسی کو معاہدہ یاد رہا، نہ اپنے حلف کا خیال

رہا۔ سب کچھ طاقِ نسیاں پر رکھ دیا گیا۔ بات لوگوں کو بھول گئی اور مدتوب  
بھولی رہی۔

جب حربِ فتحار میں بہت سے لوگ لڑ کر کٹ مرے تو پھر باسی  
کڑھی میں ابال آیا اور قریش کے بعض معزز زین نے چاہا کہ 'حلف الفضول'  
کو دوبارہ زندہ کیا جائے اور نئے سرے سے مظلوم کی حمایت اور کمزور کی  
اعانت پر لوگوں سے حلف لیے جائیں۔

اس تجویز کو پیش کرنے والے زیر بن عبدالمطلب تھے۔

مکہ میں عبد اللہ بن جدعان اُس وقت سب سے زیادہ بوڑھا،  
سب سے زیادہ بزرگ اور سب سے زیادہ معزز مانا جاتا تھا۔ اسی کے  
مکان پر قریش کے سرداروں کا یہ تاریخی اجتماع ہوا۔

جلسہ میں بنی ہاشم بنی عبدالمطلب، بنی اسد، بنی زہرہ اور بنی تمیم  
شریک تھے۔ بڑی پُر جوش اور ولوہ انگیز تقریروں کے بعد سب حاضرین  
نے حلف اٹھایا کہ آئندہ ہم ظالم کو ظلم سے روکیں گے اور حقدار کو اس کا حق  
دلائیں گے اور مظلوم کی اعانت کریں گے۔

بڑے بوڑھوں اور قوم کے سرداروں کے ساتھ ایک نوجوان لڑکا  
بھی اس جلسہ میں موجود تھا اور اُس نے بھی حلف اٹھایا۔

مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات نکلا۔ یعنی جو حشر پہلے جلسہ کا

ہوا تھا، وہی اس کا بھی ہوا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد بڑے بوڑھے بھول گئے کہ ہم نے کیا وعدہ کیا اور کیا معاہدہ کیا تھا؟ لیکن اُس نوجوان کو اپنا عہد خوب اچھی طرح یاد رہا اور اپنی ساری عمر اس نے اس وعدہ کو پورا کرنے میں وقف کر دی۔ جب تک زندہ رہا تن من دھن سے مظلوموں کی اعانت اور بے کسوں کی ہمدردی کرتا رہا۔ جب دُنیا سے سدھارا تو اپنے پیچھے اپنے ایسے ہزاروں جاں ثار خادم چھوڑ گیا۔ جنہوں نے اپنی زندگی کا نصب العین مظلوم کی حمایت کو بنالیا اور جب کبھی وقت پڑا یا موقع پیش آیا تو معمولی گنووار انسان کے مقابلہ میں انہوں نے بادشاہوں کا بھی لحاظ نہیں کیا۔

یہی نوجوان ہمارا آقا علیہ السلام تھا۔

## (23) صادق اور امین

جوں جوں اس نوجوان کی عمر بڑھتی جاتی تھی توں توں اس کی نیکی اور پرہیز گاری میں ترقی ہوتی رہتی تھی۔ کبھی کسی نے اس لڑکے کو کوئی لغو کام کرتے نہیں دیکھا۔ نہ کبھی کسی نے اُس کی زبان سے کوئی جھوٹ بات سُنی۔ اس کا معاملہ ہمیشہ نہایت کھرا ہوتا اور جب وہ کسی سے سودا کرتا تو بڑی نرمی اور خوش اسلوبی سے کرتا۔ رفتہ رفتہ اُس کی امانت، دیانت اور سچائی کا شہرہ سارے مکہ میں ہو گیا اور سب لوگ خود بخود اس کو صادق، اور امین، کہہ کر پکارنے لگے۔ اُسکی نیکی کی وجہ سے ہر شخص اس کی عزت کرتا اور بڑے بوڑھوں کے دلوں میں بھی اس کی بڑی قدر و منزلت تھی۔

بڑے ہو کر اس لڑکے نے تجارت کا شغل اختیار کیا جو اُس کا آبائی پیشہ تھا مگر تجارت کے لئے اُس کے پاس روپیہ نہ تھا۔ اس لئے اس نے دوسرے لوگوں کی شرکت میں یہ کام شروع کیا اور مالِ تجارت لے کر شام، بصری، بحرین اور یمن وغیرہ کا سفر کرنے لگا۔

اُس زمانہ میں جو جو آدمی اس نوجوان کے ساتھ تجارت میں شریک رہے۔ اُن کو کبھی معاملہ میں اُس سے ذرا بھی شکایت پیدا نہیں ہوئی، نہ کبھی کسی شریک کو اس نوجوان کی امانت اور دیانت پر ٹسٹہ ہوا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے جس کا نام عبد اللہ تھا۔ اس نوجوان سے کوئی تجارتی معاملہ کرنا چاہا۔ اس کے متعلق باہم گفتگو کرتے کرتے اُسے کوئی کام یاد آیا۔ کہنے لگا: ”آپ یہیں ٹھہریں، میں ذرا ایک ضروری کام ہوآؤں تو پھر آپ سے باقی معاملہ طے کروں گا۔“ نوجوان نے کہا ”اچھا میں تمہارا انتظار کروں گا۔“

وہ آدمی چلا گیا اور جا کر بھول گیا کہ میں ایک نوجوان تاجر کو ٹھہرا آیا ہوں۔ اتفاق سے تین دن کے بعد اُس کا ادھر سے گذر ہوا تو اس شریف انسان کو اُس نے اُسی جگہ پایا جہاں چھوڑ گیا تھا۔

اُسے فوراً اپنا وعدہ یاد آیا اور کہنے لگا معاف کرنا آپ کو نہایت سخت تکلیف ہوئی، دراصل میں بالکل بھول گیا تھا۔

اس پر نوجوان نے بڑی نرمی سے صرف اتنا فرمایا کہ میں یہاں تین دن سے تمہارا منتظر ہوں۔

صَادِقٌ اُرَأَمِينٌ کے خطابات قوم نے میرے آقا علیہ السلام کو اُس وقت دیئے تھے، جب وہ جوان تھا۔ یہ دونوں خطاب وَلَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُراً مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ کے دعوے کی روشن دلیل تھے۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ بوت کے بعد آنحضرت علیہ السلام نے

اپنی قوم سے فرمایا کہ ”میں نے تم میں ایک بھی عمر گزاری ہے کیا اُسوقت میری پاکی، میری نیکی، میری سچائی اور میری دیانت کے متعلق تم میں سے کسی کو کوئی شُبہ ہوا؟ تو جب میں نے اپنی جوانی ایسی پاکیزگی اور سچائی کے ساتھ تمہارے اندر گزاری، تو کیا ب میں بوڑھا ہو کر خدا پر جھوٹ بولوں گا۔ کیا تم میں اتنی معمولی بات کے سمجھنے کی بھی عقل نہیں؟“

اگر قوم آپ کو سچا اور راست باز نہ سمجھتی تو ’صادق‘ کا خطاب کیوں دیتی؟ اور اگر آپ کو دیانتداری اور امانت میں کامل نہ جانتی تو ’مین‘ کے نام سے کیوں پکارتی؟

## (24) مالدار عورت

مکہ میں ایک نہایت عالی خاندان اور بڑی دولتمند عورت رہتی تھی۔ اُس کا نام خدیجہ تھا۔ تمام شہر میں اس کی بڑی عزت تھی اور عرب میں اُس سے زیادہ امیر کوئی اور نہ تھا۔

وہ بہت بڑی تاجرہ تھی اور اپنا مال لوگوں کو دے کر مصر، شام اور یمن وغیرہ بھیجا کرتی تھی تاکہ وہ اُسے اُن ملکوں میں فروخت کر آئیں۔

خدیجہ نے جب تجارت میں نوجوان محمد ﷺ کی مہارت، معاملہ میں دیانتداری اور کاروبار میں خوش اسلوبی کی تعریف سنی تو ان کو بلا یا اور کہا کہ ”میں چاہتی ہوں کہ آپ میرا مال لے کر تجارت کے لئے شام جائیں۔ مال کی فروخت پر جس قدر معاوضہ میں عام طور پر دوسروں کو دیا کرتی ہوں، آپ کو اس سے دو گناہوں گی اور سفر میں آپ کی خدمت کے لئے اپنے ایک غلام کو بھی ساتھ بھیج دوں گی۔“

ہمارے نوجوان تاجر نے اس بات کو منظور فرمالیا اور میسرہ نام ایک غلام کے ساتھ مال تجارت لے کر شام کو روانہ ہو گیا۔

جب محمد ﷺ بصری پہنچے جو عرب کے شمال اور شام کے جنوب میں ایک شہر ہے تو سارا مال بہت جلدی وہیں فروخت ہو گیا اور فروخت بھی

ہوا بڑے نفع سے۔ اب آپ کو آگے جانے کی کیا ضرورت تھی؟ لہذا وہیں سے واپس لوٹ آئے۔ پائی پائی کا حساب خدیجہ کو سمجھایا اور اپنا معاوضہ لے کر گھر چلے گئے۔

میسرہ غلام سے خدیجہ نے پوچھا کہ ”کہو سفر میں کیسی گذری اور تیرے ساتھ ہاشمی نوجوان کا سلوک کیسا رہا؟“

غلام نے جواب دیا ”میری مالکہ! یہ تو بڑا ہی عجیب و غریب انسان ثابت ہوا۔ اتنا خوش گفتار، ایسا با اخلاق، اس درجہ راست باز اور اس قدر دیانتدار نوجوان میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ میرے ساتھ اس کا سلوک بالکل بھائیوں جیسا رہا۔ بجائے اس کے کہ میں اُس کی خدمت کرتا، اللہ اور ہی میرے کام کر دیا کرتا تھا۔ غرض آدمی کا ہے کو ہے۔“  
بنابنایا فرشتہ ہے!“

## بیا ۵ ) ( 25)

خدیجہ جتنی دولت مند اور امیر کبیر تھیں اتنی ہی عالی طرف اور پاکباز تھیں۔ اپنی نیکی و پارسائی اور اپنے پاکیزہ اخلاق کے باعث سارے مکہ میں طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں۔

یہ بیوہ تھیں اور اس سے پہلے ان کے دو خاوندوں کا انتقال ہو چکا تھا اور انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اب کوئی شادی نہیں کروں گی۔

خدیجہ کے اعلیٰ کیر کڑ، اُن کے اخلاقِ فاضلہ، اُن کی پسندیدہ عادات کے باعث مکہ کے بڑے بڑے معزّز سردار اُن سے نکاح کی درخواست کر چکے تھے مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا تھا۔ لیکن نوجوان محمد ﷺ کی لیافت، آپ ﷺ کی شرافت اور آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کو دیکھ کر اور اپنے غلام میسرہ سے آپ ﷺ کی تعریف سن کر انہوں نے خود آپ ﷺ سے نکاح کی درخواست کی اور اس غرض کے لئے اپنی سب سے قابل اعتماد لوٹدی کو جس کا نام نفیسہ تھا۔ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔

نفیسہ با توں با توں میں آپ ﷺ سے کہنے لگی کہ ”میاں! جتنی عمر آپ ﷺ کی ہے، اس عمر میں تو لوگ کئی کئی بچوں کے باپ ہو جاتے ہیں،

مگر آپ علیہ السلام نے اب تک اپنی شادی بھی نہیں کرائی۔ شادی کے متعلق آپ کا کیا ارادہ ہے؟

نوجوان نے جواب دیا:- ”بات یہ ہے کہ میں غریب آدمی ہوں اور میری آمدی قلیل ہے۔ ظاہر ہے کہ اس حالت میں کون مجھے اپنی بیٹی دے گا؟ اور پھر یہ بھی ہے کہ اگر میں نکاح کروں تو یوں کے اخراجات کہاں سے پورے کروں؟ جبکہ میرے اکیلے کا خرچ مشکل سے پورا ہوتا ہے۔“

نفیسہ نے کہا:- ”واہ! یہ بھی کوئی عذر ہے۔ آپ کسی دولتمند عورت سے شادی کر لیں۔ اُس کا آپ پر کوئی بار نہیں پڑے گا۔“

نوجوان ہاشمی نہسا اور کہنے لگا:- ”یتم نے خوب کہی مجھ جیسے غریب آدمی کو کوئی امیر اپنی بیٹی کیوں دے گا؟ دُنیا کا عام دستور ہے کہ امیر لوگ امیروں ہی کے بیٹوں کو اپنی بیٹیاں دیا کرتے ہیں۔“

نفیسہ بولی:- ”اگر کوئی امیر عورت خود آپ سے شادی کرنا چاہے تو پھر؟“

نوجوان نے تعجب سے پوچھا:- ”ایسی کون امیر عورت ہوگی جو مجھ جیسے غریب آدمی سے شادی کرنا چاہے گی؟“

نفیسہ نے جواب دیا:- ”میری ماں کہ خدیجہ آپ سے نکاح کی

خواہش مند ہیں اور انہوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ بشرطیکہ آپ بھی رضا مند ہوں،“

نوجوان نے قدرے تالی سے کہا:- ”میری اس معاملہ میں کیا رائے ہو سکتی ہے یہ بات تو میرے چچا سے پوچھنی چاہئے جن کے پاس میں رہتا ہوں اور جو میرے سر پرست ہیں۔“

نفیسه نے یہ سن کر کہا:- ”جب تک خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی مرضی نہ ہو، اس وقت تک ابوطالب سے پوچھنا یا کہنا بیکار ہے۔“

نوجوان نے کہا:- ”نہیں یہ بات نہیں۔ اگر چچا کو یہ رشتہ منظور ہو تو پھر مجھے انکار نہیں ہوگا۔“

نفیسه کہنے لگی:- ”تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اپنے چچا سے اُن کی مرضی دریافت کر لیں۔ میں پھر کسی وقت آکر آپ سے اس کے متعلق پوچھ لوں گی۔“

نفیسه کے جانے کے بعد نوجوان سمجھتے ہے اپنے چچا سے اس قصہ کا ذکر کیا، تو وہ کہنے لگے کہ اگر خدیجہ کی خود خواہش ہے تو بے شک کرلو۔ خدیجہ کوئی غیر نہیں۔ رشتہ میں تمہاری چھیری بہن لگتی ہے۔

ابو طالب کے علاوہ اپنے دوسرے چچاؤں سے بھی نوجوان نے صلاحی۔ سب کی یہی رائے ہوئی کہ رشتہ بہت مناسب اور نہایت اچھا ہے۔

شام کو نفیسہ پھر آئی اور پوچھنے لگی:- ”کہئے! آپ نے اپنے چچا سے پوچھا تھا؟“ نوجوان نے کہا:- ”ہاں میں نے ان سے ذکر کیا تھا وہ راضی ہیں،“ نفیسہ خوش ہو کر بولی:- ”بڑا چھا ہوا اب یہ مبارک تقریب جلد عمل میں آجائی چاہیے کیونکہ نیک کام میں دیر مناسب نہیں۔“

نوجوان نے کہا:- ”میں اس کا بھی اپنے چچا سے ذکر کروں گا۔ جیسا کچھ وہ جواب دیں گے، یا جب وہ کرنا چاہیں گے، اس سے تمہیں مطلع کر دوں گا؟“

تحوڑے دنوں میں سارے معاملات طے ہو گئے۔ محمد ﷺ اپنے چچاؤں اور اکابرین قریش کے ساتھ خدیجہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ پانچ سو درہم مهر مقرر ہوا۔ ابو طالب نے نکاح پڑھا، اور دونوں کی شادی ہو گئی۔

خدیجہؓ! تجھ پر ہزاروں سلام۔ تو وہ خوش نصیب اور مقدس خاتون ہے جس کو میرے آقا ﷺ کی سب سے پہلی بیوی بننے کا شرف حاصل ہوا۔ خدیجہؓ اور محمد ﷺ کی یہ شادی پاکیزگی اور طہارت کی بہترین مثال تھی۔ کیونکہ نکاح کے وقت خدیجہؓ کی عمر 40 سال کی اور ان کے شوہر کی 25 سال کی تھی۔ خدیجہؓ نے یہ خیال نہ کیا کہ میں ایک غریب آدمی سے شادی کر کے قوم اور قبیلے میں اپنی سکلی کرا رہی ہوں۔ انہوں نے صرف

شوہر کے پاکیزہ اخلاق کو دیکھا۔ دوسری طرف نوجوان محمد ﷺ نے اس امر کا لحاظ نہ کیا کہ میں جوان ہو کر قریباً بوڑھی عورت سے کیوں نکاح کروں؟ انہوں نے صرف بیوی کی شرافتِ نفس کو دیکھا۔ دونوں کے حسن نیت کے نتیجہ میں یہ شادی انتہائی طور پر بابرکت ثابت ہوئی۔

## جانشار بیوی (26)

نکاح کے وقت خدیجہؓ کے نزدیک اُن کے شوہر ایک عام نیک اور صالح انسان تھے اور چونکہ خدیجہؓ خود نہایت شریف الطبع، نیک طینت اور عفیفہ خاتون تھیں اس لئے انہوں نے اپنے شوہر کو امراء کے طبقے میں سے منتخب نہیں کیا، جو بالعموم سینکڑوں عیوب کا مجموعہ اور ہزاروں براہیوں کا مخزن ہوتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے ایسے انسان کو اپنے لئے پسند کیا۔ جس کے پاس اگرچہ درہم و دینار کی فراوانی نہ تھی مگر نیکی اور پرہیز گاری کی دولت سے مالا مال تھا۔ جس کی دیانتداری اور معاملہ فہمی کا خود اُن کو ذاتی طور پر تجربہ ہو چکا تھا۔ مگر یہ سب کچھ نو جوان شوہر کے اخلاقی فاضلہ کا صرف بیروفی حصہ تھا۔ جو باطنی فضائل و محامد اُس کی ذات میں پہاڑ تھے، اُن کا خدیجہؓ کو پتہ نہ تھا۔ اب جبکہ ایک جگہ اور ایک ساتھ رہنا ہوا تو خدیجہؓ کو کچھ کچھ علم اس بات کا ہوا کہ اس کا مُحترم اور مقدس شوہر کیسی عجیب و غریب شخصیت اور کیسے عدیم المثال اخلاق کا مالک ہے۔ خدیجہؓ کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ عرب کے تاریک ذرّات سے بھی ایسا ماہِ کامل اٹھ سکتا ہے جس کی روشنی، وقت آئے گا کہ تمام دنیا میں پھیل جائے گی۔ خدیجہؓ کی خوش قسمتی کی قسم کھانی چاہئے جسے اللہ تعالیٰ نے

محض اپنے فضل سے چھپر پھاڑ کر یہ بیش بہادولت دی۔

شادی کے بعد جب خدیجہؓ پر اپنے شوہر کے باطنی کمالات ظاہر ہوئے تو انہیں تجربہ ہوا کہ دنیا میں کوئی بھی انسان ایسے اعلیٰ اور ایسے بے نظیر اخلاق کاما لک نہیں جیسے میرے شوہر محمد ﷺ ہیں۔ یہ معلوم کرنے کے بعد خدیجہؓ محسوس کرتی تھیں کہ میں دنیا میں سب سے خوش قسمت عورت ہوں اور وہ واقعی ایسی ہی تھیں۔

آپ ﷺ کی سیرہ و عادات کو بہت قریب سے دیکھ کر خدیجہؓ اپنے نہایت واجب التعظیم شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری میں کھوگئیں اور انہوں نے ایسا شاندار اور پاکیزہ نمونہ اپنی محبت والفت کا دکھایا جو دنیا بھر کی نیک خواتین کے لئے اسوہ حسنہ ہے۔ خدیجہؓ حق ایقین کے ساتھ اس واقعی حقیقت تک پہنچ گئیں کہ گندن میں شاید کچھ کھوٹ ہو، مگر میرے پیارے شوہر میں کوئی عیوب نہیں۔ وہ گناہ اور معا�ی سے اتنا ہی دور ہے جیسے مشرق سے مغرب۔

خدیجہؓ تمام مکہؒ میں سب سے زیادہ مالدار عورت تھیں۔ شادی کے بعد جب ان کو خوب اچھی طرح اپنے شوہر کی خوبیوں کا اندازہ ہو گیا تو انہوں نے اپنا سارا مال و منال اور اپنا تمام روپیہ پیسہ نکال کر اپنے رفیق حیات کے قدموں میں ڈال دیا اور عرض کی کہ اب یہ سب کچھ آپ

کے حوالے ہے، جس طرح چاہیں خرچ کریں۔

اگر نوجوان محمد ﷺ عیش و عشرت کے دلدادہ ہوتے یامال و دولت کے لائق میں آپ ﷺ نے خدیجہؓ سے شادی کی ہوتی تو آپ ﷺ کے لئے نہایت عمدہ موقع تھا کہ اس روپے سے خوب عیش کرتے۔ ناج رنگ کے جلسے منعقد کرتے، شراب کے دور چلتے، اعلیٰ درجہ کی پوشائیں پہنتے، نفس نفیس کھانے پکواتے، لوڈی غلاموں کی ایک فوج آپ ﷺ کے پاس ہوتی جو دن رات آپ ﷺ کی خدمت کرتی، اور آپ ﷺ بادشاہوں کی طرح نہایت شان و شوکت کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرتے۔

مگر ان باتوں کے برخلاف آپ ﷺ نے وہ سارا مال جو وفا شعار بیوی نے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا تیبیوں کی امداد، غریبوں کی اعانت، بیواؤں کی خبرگیری اور بیماروں کی ہمدردی میں خرچ کر دیا۔ مہماں کی آؤ بھگت خوب کرتے۔ مسافر کی خاطر تواضع کا خاص خیال رکھتے۔ کوئی سوالی آپ ﷺ کے درسے خالی نہ جاتا، نگوں کو کپڑا دیتے، بھوکوں کو روٹی کھلاتے، قرض داروں کا قرض ادا کرتے، مظلوم غلاموں کو اُن کے ظالم آقاوں سے خرید کر آزاد کراتے اور حاجت مندوں کی ضرورت پوری کرتے تھے۔ مگر آپ ﷺ کی خود اپنی زندگی نہایت سادہ اور نہایت بے تکلف اور نہایت معمولی تھی۔ نہ اعلیٰ درجہ کا کھانا کھاتے، نہ

بیش قیمت پوشائیں پہنتے، نہ غلاموں سے اپنی خدمت کرواتے اور نہ امیرانہ شان سے رہتے۔

تمام اہل مکہ کے ساتھ آپ ﷺ کا سلوک نہایت ہمدردانہ تھا۔ ہر شخص کے کام آتے اور ہر شخص کی مدد کرتے تھے۔ اگر کبھی دوآدمیوں میں جھگڑا ہو جاتا تو آپ نہایت نرمی اور محبت کے ساتھ دونوں کو سمجھاتے اور آپس میں صلح کروادیتے تھے۔ آپ ﷺ کی دیانت اور امانت پر اس درجہ لوگوں کو یقین تھا کہ اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس لا کر رکھتے اور بالکل بے فکر ہو کر دور دراز ملکوں میں تجارت کے لئے چلتے جاتے۔ کیا مجال جو کسی کی امانت میں کبھی ایک پیسہ کا بھی فرق پڑا ہو۔ لوگ اپنے معاملات میں آپ ﷺ کو ثالث مقرر کرتے تو آپ ﷺ ہمیشہ نہایت عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے اور کبھی کسی کی بے جا طرف داری نہ کرتے۔

خدیجہؓ ان محمدؐ کو دیکھتیں اور دل ہی دل میں خوش ہوتی تھیں کہ خدا نے مجھے کیسا بے نظر شوہر دیا ہے جو ہزاروں میں ایک اور لاکھوں میں فرد ہے۔ ان کو اپنے فرشتہ صفت شوہر سے محبت نہیں عشق تھا اور یہ عشق آخر وقت تک برابر ترقی کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ موت نے ان کو اپنے محبوب ﷺ سے جدا کر دیا۔

## (27) چادر کے کونے

ایک سال مکہ میں سیلا ب آیا۔ جس نے خانہ کعبہ کی دیواروں کو بہت نقصان پہنچایا اور وہ گرنے کے قریب ہو گئیں۔

چونکہ قریش کعبہ کو بہت مقدس سمجھتے تھے۔ اس لیے انہوں نے ارادہ کیا کہ اُسے ڈھا کر دوبارہ مضبوط طریقہ سے بنائیں مگر ساتھ ہی اُن کو یہ بھی اندر یہ شہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے ڈھانے کی وجہ سے ہم پر کوئی مصیبت آجائے۔ اس لیے کسی کو اُس کے ڈھانے کی جرأت نہ ہوئی۔

ولید بن مغیرہ (حضرت خالد سیف اللہ کا باپ) قریش کا ایک معزز زسردار تھا۔ مگر بہت بوڑھا پھونس ہو کر مرنے کے قریب ہو گیا تھا۔ اُس نے سوچا کہ قبر میں پاؤں لٹکائے تو بیٹھا ہی ہوں۔ لاو میں کعبہ کو ڈھانا شروع کروں۔ اگر مر گیا تو کل نہ مرا آج مرجاوں گا۔ فرق کیا پڑے گا لیکن اگر پنج گیا تو قوم سمجھ لے گی کہ اُس کے ڈھانے کی وجہ سے کوئی عذاب نہیں آ سکتا۔

یہ سوچ کر اُس نے کdal اٹھائی اور خانہ کعبہ کو ڈھانا شروع کر دیا۔ شام تک ڈھاتا رہا اور قوم دیکھتی رہی۔

اُس رات مکہ کے سارے باشندے جا گتے رہے اور منتظر ہے

کہ اب ولید پر اس گستاخی اور بے ادبی کی وجہ سے خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔

مگر جب صحیح کو دیکھا تو بوڑھا ولید خاصا بھلا چنگا صحیح کعبہ میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ تجربہ کامیاب رہا اور قریش کعبہ کو ڈھانے لگے۔ جب سارا ڈھا چکے تو دوبارہ تعمیر شروع ہوئی۔ قریش کے ہر ایک قبیلے نے اس نیک کام میں حصے لینے کو اپنی سعادت سمجھا اور بجائے معماروں کے قوم کے بڑے بڑے معزز سردار پتھر ڈھونے اور عمارت بنانے میں مصروف ہو گئے۔

معززین قریش کے ساتھ وہ ہاشمی نوجوان بھی شریک تعمیر تھا جسے آگے چل کر افضل الرسل، خیر البشر اور خاتم النبیین ہونا تھا۔

کام پورے اطمینان سے ہو رہا تھا اور قریش کے تمام معززین نہایت ذوق و شوق سے اس میں حصہ لے رہے تھے کہ یکا یک اس زور سے ایک ایٹم بم گرا کہ قریب تھا کہ مکہ کی ساری آبادی اُس کی لپیٹ میں آکر ہلاک ہو جائے اور کعبہ کی دیواریں مُردیں کے خون سے رنگیں ہو جائیں۔

ہوا یہ کہ جُنْجُر اسود ایک مقدس پتھر تھا۔ جو دیوار کعبہ میں لگا ہوا تھا۔ جب اُس کی اصلی جگہ رکھنے کا وقت آیا تو ہر قوم کے سردار نے کہا کہ

میں اس متبرک پھر کو اُس کی جگہ پر نصب کروں گا اور کسی کی مجال نہیں جو اس شرف کو مجھ سے چھین سکے۔

بس پھر کیا تھا۔ آن کی آن میں سارے مکہ میں آگ لگ گئی۔ ہر قبیلہ شیر کی مانند بپھر گیا۔ اینٹ گارا اور پھر پھینک کر لوگوں نے تلواریں سنبحاں لیں اور مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے۔ پیالوں میں انسانی خون بھرے گئے اور اُس میں انگلیاں ڈبو کر فتیمیں کھائی گئیں کہ یا اپنا حق لیں گے یا ہمارا بچہ بچ کٹ مرے گا؟

کعبہ کی تاریخ میں ایسا ہولناک واقعہ کبھی پیش نہیں آیا تھا۔ آج شہر کے ہر شخص کو چشمِ تصور سے مکہ کی گلیوں میں خون کی ندیاں بہتی ہوئی اور اُن میں انسانی لاشیں تیرتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ ایک تلوار ہوا میں بلند ہونے کی دریختی۔ فوراً ہی ذرا سی دیر میں سارے مکہ کی صفائی ہو جاتی اور کوئی شخص بھی باقی نہ رہتا۔

اس نہایت خطرناک، صورت حال کو دیکھ کر بعض بڑے بوڑھوں نے آپس میں صلحِ صفائی کرانے کی کوشش کی، لیکن کوئی قبیلہ بھی اپنا حق چھوڑنے کو تیار نہ ہوا۔ میانوں میں تلواریں باہر نکلنے کے لئے ترپ رہی تھیں اور ترکشوں میں تیر ایک دوسرے کا سینہ چھیدنے کے لئے بے چین تھے۔

یہ جھگڑا چار دن تک ہوتا رہا مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

چوتھے دن ایک معزز سردار ابو امیہ بن مغیرہ نے بہت سوچنے کے بعد سردار ان قریش کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ کل صحیح نہایت سوریے جو شخص خانہ کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہو۔ وہ اس جھگڑے کا جو فیصلہ کر دے سب لوگ اُسے بلا چون و چرا قبول کر لیں۔

”منظور“، ”منظور“ ہر طرف سے آوازیں آئیں اور کل صحیح کے انتظار میں ہر شخص نے بے چینی میں گھٹریاں لگنی شروع کیں۔

صحیح کو سب سے پہلے جو شخص خانہ کعبہ میں داخل ہوا۔ اتفاق سے وہ سردار قریش کا پوتا، آمنہ کالال، عبد اللہ کالخت جگر اور خدیجہ کا شوہر تھا۔

لوگوں کے چہرے محمد ﷺ کو دیکھتے ہی فرطِ مسرت سے روشن ہو گئے۔ ہر شخص خوشی سے چلا یا：“ یہ صادق ہے، یہ امین ہے، یہ میں اس کا فیصلہ منظور ہے۔“

ہاشمی اپنے ایک آدمی کا یہ اعزاز دیکھ کر فخر سے پھولے نہ سمائے۔ فخر بخونہا شم آگے بڑھا، اپنے جسم پر سے چادر اتاری، حکم کعبہ میں اسے بچھایا، اور جگر اسود کو اپنے ہاتھ سے اس پر رکھ دیا۔

اس کے بعد تمام سرداروں سے فرمایا کہ آپ صاحبان چادر کے کونوں کو پکڑ کر اٹھائیں۔

اپنے نوجوان ثالث کے ارشاد کی تعمیل میں سردار ان قریش نے

نہایت ذوق و شوق سے چادر کے کنوں کو کپڑ کر اور پراٹھا یا۔ نوجوان ثالث نے فرمایا:- ”ابھی اور، ابھی اور“

اور سردار ان قریش چادر اور پراٹھا تے رہے۔

جب چادر دیوار کے اُس مقام تک پہنچ گئی۔ جہاں پتھر کو نصب کرنا تھا۔ تو ہونے والے رحمۃ اللعائیین ﷺ نے اپنے دست مبارک سے پتھر کواٹھا یا اور اُس کی جگہ پر رکھ دیا۔

اس طرح اس نوجوان کی دورانِ لیشی، عقلمندی اور صلح کل پا لیسی کی بدولت ایک منٹ میں اُس عظیم الشان فتنہ کی آگ بجھ گئی، جس کی لپیٹ سے سارا مکہ مسجد ہو کر رہ جاتا۔ کعبہ کی دیواریں اُسی طرح کھڑی رہتیں اور جر اسود بھی اُسی طرح زمین پر پڑا رہتا۔ مگر مکہ کا ایک آدمی بھی زندہ نہ پختا۔

یہ تھا میرے آقا ﷺ کا سب سے پہلا پلک فیصلہ۔

## و فادار غلام اور مہربان آقا علیہ السلام (28)

عرب میں قزاقوں کا شیوه تھا کہ شریفوں کے بچوں کو پکڑ کر لے جاتے اور غلام بناؤ کرنے پر ڈالتے۔ یمن کے قبلیہ قزاعہ کے ایک معزز شخص حارت کے ساتھ بھی یہی سانحہ گزرا۔ یہ شخص عیسائی تھا۔ اُس کا لڑکا زید نہایت ہی نیک اور فرمانبردار بچہ تھا۔ صورت بہت پیاری اور عادتیں بڑی پسندیدہ تھیں۔ ابھی صرف آٹھ سال کا تھا کہ ماں کے ساتھ ایک سفر پر گیا۔ راہ میں ڈاکوؤں نے قافلہ پر حملہ کیا اور دوسرے بچوں کے ساتھ زید کو بھی پکڑ کر لے گئے۔

اُن خبیثوں کا تو پیشہ یہی تھا۔ اُن بچوں کو لا کر بازار عکاظ میں نجع ڈالا۔ مکہ کے ایک رئیس حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے تھے۔ اُن میں سے تین چار لڑکے خرید لئے۔ زید اُنہی میں سے ایک تھا۔ چونکہ یہ دوسرے بچوں کی نسبت زیادہ ہوشیار معلوم ہوتا تھا اس لیے ڈاکوؤں نے اس کے چار سو درہم وصول کئے۔

حکیم بن حزام بچوں کو اپنے ساتھ گھر لے آئے۔ کچھ دن بعد ایک روز جو خدیجہؓ اُن کے ہاں گئیں تو وہ کہنے لگے۔ ”بھوپھی! میں نے دو چار دن ہوئے کچھ غلام خریدے ہیں۔ اُن میں سے ایک آپ کی نذر کرنا چاہتا

ہوں، آپ پسند کر لیں۔“

خدیجہؓ نے زید کو پسند کر لیا اور گھر لے آئیں۔

بچہ شاستہ اور مہذب تھا۔ خدیجہؓ نے اپنے واجب الاحترام شوہر سے کہا:- ”یہ تو آپ کے لائق ہے، میری طرف سے قبول کیجئے۔“

زید اب محمد ﷺ کا غلام تھا۔

زید کی گم شدگی کے بعد اُس کے ماں باپ کا اُس کے فراق میں بُرا حال ہوا۔ دن رات اس کے غم میں روتے اور ہر وقت ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے۔

باپ کو اپنے پیارے بیٹیے سے بڑی محبت تھی۔ اس لیے اُس کی جدائی کا صدمہ غم نصیب باپ کے لئے ناقابل برداشت ہو گیا۔ اپنے دل کی بھڑکی اُس نے اشعار میں نکالی جن کا ترجمہ یہ ہے:-

”اے زید! میری آنکھیں تیرے غم میں اشکبار ہیں اور ان سے آنسوؤں کی لڑی بہرہ ہی ہے۔ لیکن مجھے معلوم نہیں کہ تو زندہ ہے یا مر گیا؟“  
زید! ہم تجھے کہاں تلاش کریں؟ نہ معلوم تو سمندر میں ڈوب گیا؟  
یا زمین نے تجھے نگل لیا؟ کاش! مجھے پتہ لگ جاتا کہ اس دُنیا میں تجھ سے ملاقات ہو سکے گی یا نہیں؟

ہر روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کی گول ٹکیہ میں مجھے تو بیٹھا

ہوا نظر آتا ہے اور جب ڈوبنے لگتا ہے تو میں دُور اُفق کی سنبھری شفق  
میں تیری تصورید لکھ کر بے چین ہو جاتا ہوں۔

ہرشب کو جب چاند نکلتا ہے تو اُسے دیکھتے ہی میں تجھے یاد کر کے  
ترڑپ جاتا ہوں اور جب اندر ہیری رات میں آسمان پر ستارے چمکتے ہیں تو  
میں تیرے تصور میں کھو جاتا ہوں۔

جب سرد ہوا چلتی ہے تو تیری جدا گئی میں وہ میرے دل پر تیر بن کر  
لگتی ہے اور جب گرم ہوا کا جھونڈ کا آتا ہے تو وہ میرے قلب میں تیری یاد کا  
شعلہ بھڑکا دیتا ہے۔

میں اونٹ پر بیٹھ کر دنیا بھر کا چکر لگا دل گا اور ہر ملک کے کونے  
کونے میں تجھے ڈھونڈوں گا۔ شاید تو کہیں مل جائے۔

اگر میری بد فشمتی سے تیرا سراغ نہ ملا، تو میں تیری جستجو میں اپنی  
زندگی قربان کر دوں گا اور جب تیری تلاش کرتے کرتے مرنے لگوں گا تو  
قیس، عمر، یزید، جبلہ کو وصیت کر جاؤں گا کہ وہ اپنی زندگیاں تجھے تلاش  
کرنے میں ختم کر دیں۔“

جو آدمی حارت سے ملتا، وہ اس سے پوچھتا ”تم نے کہیں میرا بیٹا  
دیکھا ہے؟ اُس کا چھرا ایسا ہے جیسے بلکے کا پر“۔ جب سنتا کہ کوئی قافلہ کسی  
دوسرے شہر کو جا رہا ہے تو وہ اُس کے آدمیوں کے پاس جاتا اور اُن سے کہتا

”اگر تمہیں کہیں میرا بیٹا ملے تو اسے اپنے ساتھ لے آنا۔ وہ آئھ برس کا بھولا بھالا شریف بچہ ہے۔ اُس کی صورت دلکش ہے اور آواز لطیف!“

غرض کئی سال اس طرح گزر گئے مگر یوسف گم گشته کا پتہ نہ لگا۔ ناگاہ امید کی ایک شعاع نظر آئی۔ بنی کلب کے بعض لوگوں نے حج سے واپس جا کر زید کے باپ سے بیان کیا کہ تمہارا بیٹا مکہ میں ایک شخص محمد ﷺ نامی کا غلام ہے۔ کوئی اُس کے ہاتھ بیچ گیا ہوگا۔ ہم تمہارے بیٹے سے ملے تھے وہ نہایت خوش و خرم اور آرام سے ہے۔ اس کا آقا سے بہت اچھی طرح رکھتا ہے۔ ہم نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ زید کا آقا سردارِ قریش عبدالمطلب کا پوتا ہے اور بڑا ہی عالی ظرف، نیک دل، ملنسار، اور خلیق آدمی ہے۔ مکہ میں ہم جس سے بھی ملے۔ اُس نے محمد ﷺ کی تعریف کی۔ ساری قوم نے اسے ’امین‘ اور ’صادق‘ کا خطاب دے رکھا ہے۔ اگرچہ یہ شخص ابھی بالکل نوجوان ہے مگر مکہ کا ہر آدمی اس کی عزت کرتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر تم مکہ جا کر زید کے متعلق محمد ﷺ سے کہو گے تو وہ ضرور تم کو تمہارا بیٹا واپس کر دے گا۔

سو کھے دھانوں میں پانی پڑ گیا۔ مسرت کا چراغ روشن ہو گیا اور ما یوسی کی گھٹائیں پچھت گئیں۔ باپ اور پچھا بہت سارو پیہ ساتھ لے کر مکہ کو روانہ ہو گئے یہاں پہنچے تو تلاش کرتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہوئے اور کہنے لگے:-

”اے سردارِ قریش کے فرزند! اے بنو ہاشم کے چشم و چراغ! اے شریف و نجیب اور معزز نوجوان! ہم یہاں نووارد ہیں اور کل ہی آ کر اترے ہیں۔ وطن میں بھی اور یہاں پہنچ کر بھی ہم نے تیرے اخلاق کریمانہ اور تیری عادات حسنہ کی بہت تعریفیں سُنی ہیں۔ ہم تجھ سے بھیک مانگنے آئے ہیں اور تیری شرافتِ نفس سے امید ہے کہ تو ہمیں مایوس نہیں لوٹائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم یمن کے رہنے والے ہیں۔ ہمارا ایک لڑکا تھا زید نام۔ ڈاؤں سے پکڑ کے لے آئے اور سننا ہے کہ تیرے ہاتھ پیچ ڈالا۔ اے کریم النفس انسان! ہم تجھ سے انجا کرتے ہیں کہ مہربانی کر کے اُسے ہمارے حوالے کر دے۔ اور اس کے بدله میں جس قدر روپیہ چاہے ہم سے لے لے۔ ہم بلا تامل ادا کر دیں گے اور ہمیشہ تیرے احسان کے شکر گزار رہیں گے۔“

زید کے باپ کی یہ تقریں کر آپ ﷺ کچھ فکر مند سے ہو گئے۔ دراصل زید سے آپ ﷺ کو اتنی محبت ہو گئی تھی کہ آپ ﷺ اُسے اپنے سے جدا کرنا نہیں چاہتے تھے۔ دوسری طرف آپ ﷺ کو یہ بھی گوارانہ تھا کہ لڑکے کو اپنے ماں باپ سے چھڑا کر زبردستی اپنے پاس رکھا جائے اس لیے آپ ﷺ سوچنے لگے کہ کیا جواب دوں؟

آپ ﷺ کو مذبب دیکھ کر بڑی بے چینی کے ساتھ حارث نے کہا:- ”اے سردارِ قریش کے عالیٰ قدر فرزند! ہم تجھے تیرے ذی وقار آبا اجداد کا واسطہ دے کر انتبا کرتے ہیں کہ ہمارے حال پر حرم کر اور ہمارے لڑکے کو ہمارے ساتھ کر دے۔ کاش! تجھے اس بات کا احساس ہوتا کہ والدین کا اپنے بچے کی جدائی سے کیسا بُرا حال ہوتا ہے اور اگر ان کا بچہ کھو یا جائے تو وہ اس کے فراق میں کتنے بے چین اور بے قرار ہوتے ہیں؟ تو یقین کر کہ ہم نے یہ سارا زمانہ رو رو کر کاٹا ہے۔“

سردارِ قریش کے عالیٰ قدر فرزند نے جواب دیا ”یہ بات نہیں مجھے اُس صدمہ کا پورا پورا احساس ہے جو آپ کو اپنے بچے سے جدا ہونے پر ہوا ہوگا۔ آپ ﷺ کا بچہ بے شک میرے پاس ہے، لیکن بات یہ ہے کہ چند دن اکٹھے رہنے کی وجہ سے مجھے زید سے ایسی محبت ہو گئی ہے کہ اب اُس سے جدا ہونے میں تکلیف ہوتی ہے۔ کیا مفاہمت کی کوئی اور صورت نہیں ہو سکتی؟“

آپ ﷺ کی اس گفتگو سے دونوں بھائیوں نے یہ سمجھا کہ ہاشمی سردارزادہ ہمارے بچے کو اپنی غلامی سے آزاد کرنا نہیں چاہتا اور بہانے بنانے کر بات کو ٹال دینا چاہتا ہے۔

یہ سوچتے ہوئے بہت ہی مایوس ہو کر حارث نے کہا ”مفاہمت

کیسی اور صورت کے کیا معنی؟ ہماری تو عقل کچھ کام نہیں کرتی، آپ ہی بتلائیں کہ کیا شکل ہو سکتی ہے؟“

آپ ﷺ نے فرمایا:- ”میرے خیال میں ایک بات آئی ہے۔ بشرطیکہ آپ کو بھی منظور ہو۔ وہ یہ کہ اس معاملہ کے متعلق خود زید سے پوچھ لیا جائے۔ اگر وہ آپ کے ہمراہ جانا چاہے تو بے شک چلا جائے۔ میں ہرگز اُس کے بدلہ میں کوئی رقم آپ سے نہیں لوں گا۔ آپ کو اپنا بچہ مبارک رہے لیکن اگر وہ آپ کے ساتھ جانے کی بجائے میرے پاس رہنے کو پسند کرے تو پھر آپ سے اتنا کروں گا کہ اگر آپ چاہیں تو اُسے چھوڑ جائیں۔ اور اس بات سے بالکل مطمئن رہیں کہ آپ کے لڑکے کو جب تک میں زندہ ہوں یہاں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ لیکن اگر آپ کو یہ بات منظور نہ ہو تو پھر میں جبر کرنا ہرگز نہیں چاہتا، آپ شوق کے ساتھ بچہ کو اپنے ساتھ لے جائیں۔“

دنیا میں ایسا کونسا غلام ہو گا جس کی آرزو یہ نہ ہو کہ اُسے آزادی مل جائے؟ اور زمین پر ایسا کونسا بیٹا ہو گا جو ماں باپ کے پاس رہنے کی نسبت غیر آدمی کے ساتھ رہنے کو ترجیح دے۔ کیونکہ ظاہر ہے جو آرام اور عیش اولاد کو ماں باپ کے ہاں حاصل ہوتا ہے۔ وہ کہیں اور ہرگز نہیں مل سکتا اور جتنی محبت والفت بیٹی سے والدین کر سکتے ہیں اتنی اور

کوئی شخص نہیں کر سکتا۔

یہ خیال کرتے ہوئے باپ اور پچھادونوں بڑی خوشی سے نوجوان آقا کی پیش کردہ تجویز پر راضی ہو گئے اور کہنے لگے۔ ”آپ نے یہ بات بالکل ٹھیک اور درست کہی۔ ہمیں منظور اور قبول ہے۔ بے شک زید سے پوچھ لیا جائے۔ اگر وہ آپ کے پاس رہنا چاہے تو پھر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ لیکن آپ اپنی بات پر قائم رہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں انکار کر دیں۔ وعدہ خلافی آلی غالب کے شایان شان نہیں۔“

اس بات پر نوجوان سردارزادہ بجائے ناراض ہونے کے مسکرا یا اور فرمایا۔ ”مجھے آج تک کبھی اس بات کا وہم بھی نہیں آیا کہ میں کوئی وعدہ کر کے اُس سے پورا نہ کروں یا کوئی اقرار کر کے اس سے پھر جاؤں۔ آپ اطمینان رکھیں میں بہر حال اپنی بات پر قائم رہوں گا۔ زید کہیں کھیلنے گیا ہوا ہے۔ آجائے تو آپ اُس سے دریافت فرمائیں۔“

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں زید ہنستا ہوا باہر سے آیا اور گھر کے اندر جانے لگا مگر اُس کے آقا نے آواز دی ”میاں زید! ادھر آؤ۔“ یہ سُن کر زید پلٹا اور اچانک اپنے سامنے باپ اور پچھا کو دیکھ کر ششد رہ گیا۔

آقا نے فرمایا۔ ”زید ان دونوں آدمیوں کو پہچانتے ہو؟“

زید نے کہا:- ”جی ہاں! یہ میرے والد ہیں۔ یہ میرے چچا ہیں۔  
 یہ کہتے کہتے چھوٹا بچہ دوڑ کر باپ سے لپٹ گیا اور باپ نے بڑی  
 محبت کے ساتھ سینے سے لگالیا۔ چچانے بھی پیار کیا۔  
 اب آقا نے پوچھا:- ”زید! یہ دونوں تمہیں لینے آئے ہیں۔  
 بولو تمہاری کیا مرضی ہے؟ آیا میرے پاس رہنا چاہتے ہو یا ان کے ساتھ  
 جانا چاہتے ہو؟“

باپ اور چچا نہایت اشتیاق کے ساتھ زید کے چہرہ کی طرف  
 دیکھنے لگے کہ دیکھیں زید کیا کہتا ہے۔ مگر باپ اور چچا کی حیرت کی انہتائے  
 رہی، جب زید نے بالکل خلافِ توقع جواب دیا۔ ”میں آپ ہی کے پاس  
 رہوں گا میں اپنے گھر واپس جانا نہیں چاہتا اور ہرگز نہیں جاؤں گا۔“  
 اس پر بڑے تعجب کے ساتھ باپ نے کہا:-

”زید کیا تو غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو تیری  
 عقل پر ہزار افسوس!“

زید نے جواب دیا:- ”ہاں ہاں میں محمد ﷺ کی غلامی پر آزادی  
 کو ہزار مرتبہ ترجیح دیتا ہوں۔ جو فضائل اور محسن میں نے اپنے محترم  
 آقا ﷺ کے وجود میں دیکھے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف میرے جسم کو بلکہ  
 میری روح کو بھی ہمیشہ کے لیے، اپنا غلام بنالیا ہے۔ میں اپنے آقا ﷺ کا

ساتھ اب مرکر ہی چھوڑوں گا۔“

آقا نے غلام کی وفاداری کا یہ ولولہ انگیز مظاہرہ دیکھا تو فرطِ شفقت سے اُس کا ہاتھ پکڑا اور خانہ کعبہ میں لے گئے۔ باپ اور چچا ساتھ تھے۔

کعبہ میں اُس وقت قریش کے چند معزز لوگ بیٹھے بتیں کر رہے تھے۔ اُن کے سامنے پہنچ کر نوجوان آقا علیہ السلام نے فرمایا:-

”جو صاحبان اس وقت یہاں موجود ہیں۔ وہ اس بات کے گواہ رہیں کہ میں آج سے زید کو آزاد کرتا اور اپنا بیٹا بناتا ہوں۔ یہ میرا وارث ہو گا اور میں اس کا وارث ہوں گا۔“

باپ اور چچا پاس کھڑے تھے۔ اُن کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ کوئی لڑکا اپنے والدین کو چھوڑ کر غیر شخص کی غلامی پر فخر کر سکتا ہے اور کوئی آقا اپنے غلام سے اس قدر رحم اور ایسی شفقت کا برتاؤ کر سکتا ہے۔

دونوں بھائیوں کے لئے ایک طرف عقیدت و محبت اور دوسرا طرف ہمدردی و شفقت کا یہ نظارہ بڑا عجیب و غریب تھا، وہ حیران ہو گئے اور سمجھنہ سکے کہ دنیا میں ایسے آقا اور ایسے غلام بھی ہو سکتے ہیں تاہم جب انہوں نے دیکھا کہ لڑکا کسی صورت سے بھی اُن کے ساتھ جانے پر رضا

مند نہیں تو مجبوراً اسے چھوڑ کر واپس چلے گئے۔

زید نے جو کہا تھا اسے پوری طرح نبھایا۔ یہاں تک کہ آخر اپنے آقے ﷺ کے اوپر قربان ہو کر اپنی صداقت اور وفاداری پر مہر تصدیق ثبت کر گیا۔ خدا کی ہزاروں رحمتیں اُس پر ہوں۔

یہ تھا آنحضرت ﷺ کا سب سے پہلا غلام!

اسی غلامؓ کے متعلق صدیق اکبر کی بیٹی اُم المؤمنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر رسول کریم ﷺ کی وفات کے وقت زید زندہ ہوتا تو آنحضرت ﷺ اپنے بعد اسے اپنا جانشین بناتے۔

حضرت زیدؓ کے شرف، بزرگی اور عظمت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کے تمام صحابہ میں سے صرف حضرت زیدؓ ایسے صحابی ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔

## آفتابِ رسالت ﷺ کا طوع

اب آفتابِ رسالت ﷺ طوع ہونے کو ہے اور کفر کی تاریکی کے دور ہونے کا وقت آگیا ہے۔ دنیا جو گناہ کی نجاست میں غرق تھی۔ اب نئی زندگی اختیار کرنے کو ہے۔ شیطانی طاقتیں اور طاغوتی قوتیں ملیا میٹ ہونے والی ہیں اور خدا کی بادشاہت جیسی آسمان پر ہے ویسی ہی زمین پر بھی قائم ہونے والی ہے۔ دنیا جو ظلم و ستم اور طغیان و عصیان سے بھر گئی ہے۔ اب عدل و الناصاف اور ایمان و یقین سے معمور ہونے والی ہے۔

ظلمت اور تیرگی کے بادل جو تمام عالم پر چھائے ہوئے ہیں۔ اب چھٹ جانے کو ہیں۔ رحمت کا پانی جو وقت کا منتظر تھا۔ اب برس کر تمام مردہ زمین کو سیراب کرنے والا ہے۔ ہر طرف جو فساد کی آگ بھڑک رہی ہے۔ اب وہ امن و سکون کے قابل میں تبدیل ہونے والی ہے۔ سختی و درشتی جس کا دنیا بھر میں عمل دخل تھا ب نیست و نابود ہونے والی ہے۔ زیر دستوں پر ظلم اور کمزوروں پر ستم اب ختم ہونے والا ہے۔ دنیا کا ہادی ﷺ، عالم کا رہبر علیہ السلام اور دونوں جہانوں کا سردار ﷺ، خدائی دربار سے نبوت کی پاک خلعت پہن کر باہر نکلنے والا ہے۔ بد اخلاقی، بد طبیعتی اور فسق و بخور جو شیطان کا طریقہ افتخار ہیں اب مست جانے والے ہیں اور ان کی بجائے

خلوص، محبت اور یگانگت کا دور دورہ ہونے والا ہے۔ خدا نے ذوالجلال کا چہرہ اب نظر آنے کو ہے۔ شیطان اپنا لعنتی منہ چھپا کر بھاگنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔

بے دینی اور شرک کی لعنت سے دُنیا پاک ہونے والی ہے۔ پرہیزگاری اور توحید اور علم و عرفان کی روشنیوں سے عالم منور ہونے والا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ آپ کو بتایا جائے کہ جس وقت ہمارا آقا ﷺ کفر کی تاریکیوں کو دُور کرنے کے لئے وحی الٰہی کی مشعل لے کر کھڑا ہوا۔ تو دُنیا اس وقت ہر قسم کے گناہوں اور ہر طرح کے فسق و فحور میں کس بری طرح مبتلا تھی؟ اخلاقی اور مذہبی حالت کس درجہ گری ہوئی تھی؟ فضول اور لا یعنی رسماں کی کتنی بہتات تھی؟ تو ہمایات اور وہمیات کا کیسا جال پھیلا ہوا تھا؟ معمولی باتوں پر کٹ مرنے اور چھوٹے چھوٹے امور پر برسوں لڑتے رہنے کا کتنا لامناہی سلسلہ جاری تھا؟ اور اس کے بعد اس رحمۃ اللعائیمین ﷺ نے آکر دنیا کی کایا کیسی پلٹ دی۔ اس بیان کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ

گربنو دے بال مقابل روئے مکروہ سیاہ  
کس چہ دانستے جمال شاہد گلفام را

## (30) بُتوں کا سردار خدا کے گھر میں

کعبہ کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے صرف خدا کی عبادت کے لئے بنایا تھا۔ لیکن بعد میں ان کی اولاد گمراہ ہو گئی اور خدا کی پرستش چھوڑ کر بُتوں کو پُو جنے لگی۔ اس ضلالت میں یہ لوگ اس قدر بڑھے کہ خود خانہ کعبہ میں بُت لا کر رکھ دیے اور ان کی پوجا پاٹ کرنے لگے۔ ان بُتوں کی تعداد آہستہ آہستہ زیادہ سے زیادہ ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ تین سو ساٹھ تک پہنچ گئی۔ خدا کی پناہ! شاید دنیا کے کسی بُت خانہ میں اتنے بُت نہ ہوں گے جتنے خدا کے اس گھر میں رکھے ہوئے تھے۔

کعبہ کے ان خداوں کا سردار ہبُل تھا۔ یہ بُت خانہ کعبہ کی چھت پر نصب تھا۔ اسی کم بخت سے عرب میں بُت پرستی کا رواج شروع ہوا تھا۔ جس کی کہانی حسب ذیل ہے:-

مکہ کا مقندر رئیس اور کعبہ کا متولی قبیلہ خزانہ کا ایک شخص عمرو بن الحبیب تھا۔ یہ ایک مرتبہ سخت بیمار ہو گیا۔ ہر چند علاج معا لجے کیے لیکن صحت نہ ہوئی۔ کسی نے اُسے بتایا کہ ملک شام کے مقام مآب میں ایک چشمہ ہے۔ اگر اُس کے پانی سے نہاؤ تو تمہارا مرض دور ہو جائے گا۔ چنانچہ عمرو وہاں گیا اور چشمہ کے پانی سے غسل کر کے تند رست ہو گیا۔

ماں کے قیام کے دوران میں اُس نے گاؤں کے باشندوں کو دیکھا کہ بُوں کو پُونج رہے اور ان کے آگے سجدے کر رہے ہیں۔ عمر و کے لیے یہ بات بالکل نئی تھی۔ یہ تماشہ دیکھ کر اُسے بڑی حیرت ہوئی اور اس نے تعجب سے پوچھا کہ:- ”بھی تم انہیں کیوں سجدہ کر رہے ہو؟ اور یہ کون ہیں؟“

ماں والوں نے جواب دیا کہ ”میاں! تمہیں اتنا بھی پتہ نہیں؟ یہ تو بے انہما مفید وجود ہیں۔ یہ ہماری ہر ضرورت کو پُورا کرتے اور ہماری ہر حاجت کو بر لاتے ہیں۔ یہ ظاہر میں تو پتھر نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں بڑی طاقت و اعلیٰ ہیں۔ جب ضرورت ہوتی ہے بارش بر سادیتے ہیں، جب حاجت ہوتی ہے دھوپ نکال دیتے ہیں، ہمارے دشمنوں کو پاماں کرتے ہیں، ہمارے دوستوں کو نہال کرتے ہیں، ہمیں راحت، آرام اور خوشی بخشتے ہیں، بیماری سے شفاء اور قرض سے نجات دیتے ہیں۔ غرض ہم اُن سے جو انجام کریں وہ اسے پوری کرتے ہیں۔“ عمر و بن الحُمَّی نے جو یہ لمحے دار بیان سننا تو اپنی بیوقوفی کی ترنگ میں بے اختیار اُن سے کہنے لگا:-

”جب یہ بات ہے تو تم لوگ بڑے مزے میں ہو۔ اگر تم مہربانی کر کے ان میں سے ایک بُت مجھے بھی دے دو تو میں اس کو اپنے وطن میں

لے جاؤں۔ تمہارا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہو گا۔ مگر ہم لوگوں کو بڑی آسانی ہو جائے گی۔

ماں کے لوگوں نے یہ سُن کر اسے ایک بُت دے دیا۔ یہی ہمبل تھا جسے عمرو نے لا کر خانہ کعبہ کی چھت پر رکھ دیا اور سارے عرب میں گھر گھر پھر کر لوگوں کو اُس کے پوجنے کی ترغیب دینے لگا۔

چونکہ یہ شخص نہایت بااثر، بڑا فیاض اور بہت سخن تھا اور لوگ اُس کے زیر بار احسان تھے۔ اس لیے انہوں نے اُس کا کہنا مان لیا اور بتوں کو پوچھنے لگے۔ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ کعبہ بُت پر ستون کا تیر تھا بن گیا۔

## (31) پھرول کے پرستار

جب مکہ میں بُت پرستی شروع ہوئی تو چونکہ کعبہ تمام عرب کا مذہبی مرکز تھا اور ہر شخص کے دل میں کعبہ کا ادب اور اُس کی تعظیم تھی اس لیے آہستہ آہستہ سارے عرب میں بُت پرستی پھیل گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر قبیلے کا، ہر خاندان کا، ہر گھرانے کا، بلکہ ہر شخص کا خدا علیحدہ بن گیا۔

یہ سارے خدا پھر کے آن گھر مکہ میں یا بے ڈھنگے تراشے ہوئے بُت تھے۔ جب کوئی شخص سفر پر جاتا تو اپنے ساتھ تین پھر لے جاتا۔ راستے میں جہاں قیام کرتا اُن پھرول کا پُوچھا بنا کر کھانا پکاتا اور کھا پی کر جب فارغ ہو جاتا تو اُنہی میں سے ایک پھر اٹھاتا اور اُس کے آگے سجدے میں گرفتار۔ مگر یہ پھر ساتھ لے جانے کا قصہ درمیانی زمانہ کا تھا۔ جب بُت پرستی اُن کی رگ رگ میں سما گئی تو پھر اس کی بھی ضرورت نہ رہی۔ سفر میں جہاں پڑا وڈا لتے وہیں سے ایک پھر اٹھا لیتے اور اُسے اپنا خدا بنا لیتے۔ ویسے بھی احتیاطاً ہر ایک کی جیب میں ایک پھر رہتا تھا۔ راہ چلتے میں جس وقت دل چاہا نکال کر اُس کی پوجا کر لی اور پھر اُسے جیب میں ڈال لیا۔

مگر تماشہ یہ تھا کہ با وجود بُت پرستی کے اس عشق کے جب انہیں  
غصہ آتا تھا تو اپنے خداوں کو بُرا بھلا کہنے سے بھی نہیں چُکتے تھے۔  
امراء القیس ایک بہت مشہور شاعر تھا۔ اُس کے باپ کو کسی نے قتل کر دیا۔  
اُس نے اپنے بُت کے سامنے جا کر فال لی کہ مجھے باپ کے قاتل سے  
بدلہ لینا چاہیے یا نہیں؟ بدستمی سے فال میں نکلا کہ قصاص نہیں لینا چاہیے۔  
شاعر کو غصہ تو بہت آیا۔ مگر اُس نے خیال کیا کہ شاید فال لینے  
میں غلطی ہو گئی۔ بھلا بُت ایسی نا انصافی کا حکم کس طرح دے سکتا ہے؟ اس  
لیے دوبارہ فال لی۔ مگر پھر بھی فال میں یہی نکلا کہ بدلہ نہیں لینا چاہیے۔  
اب تو شاعر کے غیظ غضب کی حد نہ رہی اُس نے نہایت طیش  
میں آ کر اپنے خدا پر تھوک دیا اور کہنے لگا:- ”کم بخت! اگر تیرا باپ مارا  
جاتا تو پھر میں دیکھتا کہ تو کس طرح قصاص نہ لیتا؟“  
ایک آدمی کا اونٹ کچھ بیمار تھا۔ وہ اُسے اپنے بُت کے پاس لے  
گیا اور اُس سے التجا کرنے لگا کہ اسے تند رست کر دے۔ اُس بُت کا نام  
سعد تھا۔ اتفاقاً بُت کو دیکھتے ہی اونٹ بدک کر بھاگا اور آن کی آن  
میں نظرؤں سے غائب ہو گیا۔

اس پر اعرابی بڑے غصے میں بھر کر بولا:- ”اوبد نصیب بُت! یہ  
تو نے کیا حرکت کی؟ بتلا! اب میں کیا کروں اور کہاں سے اپنے اونٹ کو

ڈھونڈ کر لاوں؟ تجھے سعد کس نے بنایا؟ تو تو زر امن خوس ہے،“

یہ کہا اور بڑی نفرت کے ساتھ بُت کے چہرہ پر زور سے ایک پھر دے مارا جس سے اُس کی ناک ٹوٹ گئی۔

جہاں یہ بات تھی کہ عرب اپنے خداوں پر ناراض ہو لیتے تھے۔

وہاں اُن کو اپنے ان بے جان معبودوں سے عقیدت اور محبت بھی بہت تھی۔ روز مرہ دیکھتے کہ کتنا آیا اور ٹانگ اٹھا کر بُت کے اوپر موت گیا۔

مگر اس سے اُن کی خوش اعتقادی میں ذرا فرق نہ آتا تھا۔ بارہا ایسا ہوا کہ کسی نے کچھ کھانا بطور نذر لا کر بُت کے آگے رکھا۔ ابھی وہ اپنی جگہ سے ہٹا بھی نہیں تھا کہ کوئی گتّا موقع پر پہنچ گیا۔ مالِ غنیمت کو اطمینان کے ساتھ چٹ کیا اور دُم ہلاتا ہوا چل دیا۔ وہ شخص کھڑا دیکھتا رہا مگر اُس کی عقیدت اپنے خدا سے کم نہیں ہوتی۔

عمرو بن جموع ایک شخص تھا۔ اُس نے لکڑی کا ایک بُت اپنے گھر میں بنار کھا تھا۔ تاکہ ضرورت کے وقت کہیں باہر نہ جانا پڑے اور گھر ہی میں پوچاپٹ سے فراغت ہو جایا کرے۔ اُس کے پڑوں میں دو آدمی معاذ بن جبل اور معاذ بن عمرہ رہا کرتے تھے۔ جب عمرو کہیں باہر جاتا۔ وہ دونوں چھپ کر آتے اور بت کو اٹھا کر سندھ اس میں پھینک دیتے۔ عمرو بن جموع آتا، بت کی تو ہین کرنے والے کو بُرا بھلا کہتا، پھر کمال خلوص کے

ساتھ بُت کو نجاست میں سے نکالتا، پانی سے دھوتا، کپڑے سے پونچھتا اور خوبیوں کا پنی جگہ رکھ دیتا۔

یہ تماشہ روز اسی طرح ہوتا لیکن نہ وہ دونوں پڑوںی اپنی شرارت سے باز آئے، نہ اس بے چارے کے دل میں اپنے بُت کی طرف سے کوئی بعد عقیدگی پیدا نہ ہوئی۔

محبت کے ساتھ بُتوں کا خوف بھی اُن کے دلوں میں بہت بیٹھا ہوا تھا۔ ایک لڑکے کو اُس کی ماں نے کچھ دودھ، تھوڑا سا مکھن اور ذرا سا نیبر دیا کہ جا ہمارے معبدوں پر چڑھا آ۔

خالص دودھ، تازہ مکھن اور عمده پنیر کو دیکھ کر لڑکے کا دل بہت للچایا اور بے اختیار اُس کا جی چاہا کہ دودھ، مکھن اور پنیر سب خود چٹ کر جائے اور ماں سے جا کر کہہ دے کہ چڑھا آیا۔ مگر پھر خیال آیا کہ اگر بُتوں نے اس گستاخی پر ناراض ہو کر میری گردن توڑ ڈالی تو کیا کروں گا؟

اس مشکل کا کوئی حل لڑکے کی سمجھ میں نہ آیا۔ اس لیے ناچار اور جبراً قہر ادا دودھ، مکھن اور پنیر کے پیالے لے جا کر بُتوں کے آگے رکھ دیئے۔ اگر چہ منہ میں پانی بھرتا رہا۔

ابھی کچھ دیر نہ گذری تھی کہ ایک سُتتا آیا۔ اُس نے دودھ پی لیا اور مکھن اور پنیر کھالیا پھر ان بُتوں پر پیشتاب کر دیا۔ فارغ ہونے کے بعد

جدھر سے آیا تھا، اُدھر ہی چل دیا۔

ایک مرتبہ بڑے مزے کا تماشا ایک بُت کے ساتھ ہوا۔ اُس بُت کا نام حسیں تھا اور یہ سارے کاسارا کھجوروں کا بننا ہوا تھا۔ جب کبھی شہر میں کوئی تقریب ہوتی تو لوگ کھجوریں لا لانا کرو ہاں جمع کرتے جاتے رفتہ رفتہ وہ کھجوروں کا بہت بڑا ڈھیر بن گیا۔ جس کی لمبائی، چوڑائی اور اونچائی میں روز بروز زیادتی ہوتی جاتی تھی۔

عین اس وقت جبکہ حسیں دن دونا اور رات چوگنا موٹا ہوتا اور پھیلتا جا رہا تھا، ایک ایسا سانحہ پیش آیا، جس نے غریب کی زندگی ہی کا خاتمہ کر کے رکھ دیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ ایک سال عرب میں شدید قحط پڑا۔ لوگوں نے اپنے اپنے معبودوں سے قحط دور کرنے اور بارش کے ہونے کی بہت دعا میں مانگیں مگر نہ بارش ہوئی اور نہ قحط دور ہوا۔

جب بھوک کے مارے لوگ بہت ہی مجبور ہو گئے تو قوم کے بڑے بوڑھوں نے باہم مشورہ کر کے پیٹ کے دوزخ کو بھرنے کی تدبیریہ سوچی کہ سب کے سب اپنے معبود پر ٹوٹ پڑے اور جس کے حصہ میں جس قدر کھجوریں آئیں چٹ کر گیا۔ اس طرح تھوڑی دیر میں بُت کا نام و نشان مٹ گیا اور زمین صاف نکل آئی۔

## و حشمت کے کر شے (32)

عرب کے لوگ حد درجہ کے بُت پرست تو تھے ہی مگر اس کے ساتھ ہی وحشی، ضدی، جاہل اور فسادی بھی ایسے تھے کہ دنیا میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ بہت ہی معمولی باتوں پر اُن میں سالہا سال تک خون ریز جنگیں ہوتی رہتی تھیں جن میں قبیلے کے قبیلے کٹ مرتے اور ہزاروں آدمیوں کا صفائیا ہو جاتا تھا۔ ان خوفناک جنگوں کے اسباب اکثر اوقات اس درجہ مضخلہ خیز ہوتے تھے کہ پڑھ کر اُن کی بے عقلی اور جہالت پر بے اختیار ہنسی آتی ہے مثلاً:-

(1)

ایک مرتبہ ایک آدمی کا اونٹ چرتے چرتے ایک شخص کے کھیت میں چلا گیا۔ اُس وقت کھیت کی رکھوالی اتفاق سے ایک عورت کر رہی تھی۔ اُس نے اونٹ کو مار کر کھیت سے باہر نکال دیا۔ اونٹ کا مالک اتنی سی بات پر غصہ میں بھرا ہوا آیا اور عورت کو بری طرح مار کر سخت زخمی کر دیا۔ عورت نے اپنے لوگوں کو آواز دی۔ اونٹ والے نے اپنے قبیلے کو بلا یا۔ چلیے دلوں طرف سے تواریں کھنچ گئیں اور لڑائی ہونے لگی۔ اس جنگ کا دائرہ آہستہ آہستہ وسیع ہوتا رہا۔ کچھ قبائل ادھر شامل ہو گئے۔ کچھ خاندان اودھر

شریک ہو گئے۔ لڑائی دو خاندانوں میں شروع ہوئی تھی۔ مگر رفتہ رفتہ تمام عرب کے قبیلے جنگ کی لپیٹ میں آگئے اور چالیس برس تک لڑائی کے شعلے بھڑکتے رہے۔ جب اس نارجہنم میں 70 ہزار آدمی جسم ہو چکے۔ اُس وقت یہ آگ ٹھڈی ہوئی۔ مولانا حامی اسی لڑائی کے متعلق کہتے ہیں۔

وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی قبیلوں کی کردی تھی جس نے صفائی صدی جس میں آدھی انہوں نے گنوائی تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی

نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ

کرشمہ اک اُن کی جہالت کا تھا وہ

(2)

ایک دفعہ گھوڑا دوڑ ہو رہی تھی، ایک گھوڑا جس کا نام داحس تھا۔ مقابلہ میں آگے بڑھا رہی چاہتا تھا کہ جھٹ ایک دلیر اور فسادی آدمی نے اسے بدکا دیا۔

اس بات پر ایک، دو سال نہیں پورے 63 سال تک جنگ ہوتی رہی، جس میں قبیلے کے قبیلے کٹ مرے۔

(3)

بنی کنانہ کے ایک شخص نے بونضر کے ایک آدمی سے کچھ قرضہ لیا۔  
مگر جب کئی تقاضوں کے بعد بھی ادا نہیں کیا تو قرض دینے والے نے یہ  
کام کیا کہ میلہ عکاظ میں ایک بندر لے کر آیا اور نیچے بازار میں کھڑا ہو کر کہنے  
لگا کہ:-

”میں اس بندر جیسے حقیر اور ذلیل جانور کو اُس قرضہ کے بدلہ میں  
فروخت کرتا ہوں جو بونضر کے فلاں شخص نے مجھ سے لیا اور پھر ادا نہیں کیا  
کوئی ہے جو مجھ سے یہ بندر خرید لے۔“

نظری قبیلے والوں کو یہ بات بہت بری لگی اور ان میں سے ایک  
آدمی نے چکے چپکے پیچھے سے آ کر ایک ڈنڈاں زور سے بندر کے رسید کیا  
کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

اس پر فوراً دونوں طرف سے تلواریں کھنچ گئیں اور لوگ لڑنے  
مرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ قریب تھا کہ میلہ اچھا خاصہ میدان جنگ بن  
جاتا۔ مگر بعض سرداروں کے سمجھانے بجھانے سے جوش میں بھرے ہوئے  
بہادر کچھ ٹھنڈے ہوئے اور نوبت بالتوں سے لا توں تک پہنچتے پہنچتے رہ گئی  
ورنہ اتنا کشت و خون ہوتا کہ لہو کی ندیاں بہہ جاتیں۔

(4)

ایک دفعہ طریف بن تمیم نامی ایک شخص جو بڑا قدآ اور جسم آدمی تھا۔ خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ اس دوران میں اُس نے دیکھا کہ ایک شخص جس کا نام حمیصہ بن جندل تھا بڑے غور سے اُسے دیکھ رہا ہے۔ طریف نے طواف کرتے کرتے ذرا رُک کر پوچھا کہ:-

”کیوں بھی! خیر تو ہے؟ تو ہے کون؟ اور مجھے اس بری طرح کیوں گھور رہا ہے؟ جیسے زندہ ہی کو کھا جائے گا؟“  
حمیصہ بولا:- ”ارادہ تو کچھ ایسا ہی ہے۔ اگر تو کسی جنگ میں میرے سامنے آگیا تو یاد رکھ کہ ضرور تیر اسر بھٹا سا اڑا دوں گا۔ جان کی خیر چاہتا ہے تو ذرا بچ کر رہیو۔“

جان نہ پہچان، باعث نہ سبب، اس بلا وجہ بد زبانی سے طریف کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کہنے لگا:-

”اے ہبل! اے دیوتاؤں کے دیوتا! میرے حال پر اتنی مہربانی کر کے اس خبیث کا اور میرا مقابلہ اسی سال ہو جائے تاکہ میں اس مردود کا ناپاک سرکاٹ کر تیرے آ گے بطور نذر پیش کروں۔“

حمیصہ بھلا کیوں پیچھے رہتا۔ اُس نے بھی بلند آواز سے کہا:-

”اے ہبل! اے طاقت اور قوت والے معبود! تو صرف اسی بد بخت

کا خدا نہیں بلکہ میرا بھی پروردگار ہے۔ مجھ پر اتنی مہربانی کر کہ اسی برس  
کے اندر مجھے اس ذلیل کٹتے پر غلبہ عطا فرماتا کہ میں اس کی منحوس لاش اٹھا  
کر گیڈڑوں کے لئے جنگل میں پھینک آؤں۔“

تم خود سوچ سکتے ہو کہ یہ فضول ٹو ٹو میں میں بعد میں کتنے  
آدمیوں کے قتل کا باعث ہوئی ہو گی؟

(5)

بھیر ایک شخص تھا۔ بازار عکاظ میں کھڑا ہوا میلے کی سیر دیکھ رہا تھا  
کہ سامنے سے تعزب نامی ایک آدمی آگیا۔

بھیر نے اُس سے پوچھا:- ”تعزب! تیری وہ گھوڑی کیا ہوئی جس  
کا نام بپیضا تھا؟“

تعزب نے جواب دیا:- ”ہوتی کہاں۔ میرے پاس ہے مگر تجھے  
اس سے کیا؟ تو کیوں پوچھتا ہے؟“

بھیر نے کہا:- ”میں اس لئے پوچھتا ہوں کہ یہ تیری صبار قفار  
گھوڑی ہی تھی جس کی بدولت تو اُس روز میرے ہاتھ سے نچ گیا ورنہ اب  
تک کبھی کا عدم آباد روانہ ہو چکا ہوتا۔“

تعزب بولا:- ”کیا کبواس لگا رکھی ہے؟ میرا تیرا مقابلہ کب ہوا؟  
اور کب میں اپنی گھوڑی پر سوار ہو کر فرار ہوا؟ بالکل جھوٹ، غلط اور محض

بہتہاں، دور ہو یہاں سے شیطان۔“  
اس پر دونوں نے دعا مانگی کہ ”اے ہبیل! ہم دونوں میں سے جو  
جھوٹا، بے ایمان اور کذب اب ہو وہ پچ کے ہاتھ سے مارا جائے“  
اس کے بعد دونوں جدا ہو گئے۔ اگرچہ ان کے درمیان پہلے کوئی  
دشمنی اور مخالفت نہ تھی۔ مگر آج سے وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے  
ہو گئے۔ اور بالآخر قعنبر نے بحیر کو مارڈا۔

(6)

بنی طے کے قبائل میں باہم کثا چھنی رہا کرتی تھی۔ حارث بن جبلہ  
غسانی نے بیچ میں پڑ کر صلح کروادی۔ تھوڑے دن توڑ راسکون رہا۔ پھر  
بیکار بیٹھے بیٹھے طبیعت گھبرا لی تو یہا تک بغیر کسی خاص شکایت کے بخوبی  
نے بونوغوٹ پر حملہ کر دیا۔ جدیلہ کا سردار جس کا نام اسیع تھا لڑائی میں مارا  
گیا۔ تو ایک شخص مصعب نامی نے اُس کے دونوں کان کاٹ کر اپنے  
دونوں جوتوں میں پیوند کے طور پر لگائیے اور ایک شعر پڑھا جس کا مطلب  
یہ تھا کہ:-

”ہم اپنے جوتے تمہارے کانوں سے سیا کرتے ہیں اور تمہاری  
کھوپڑیوں میں شراب بھر کر مزے سے نوش کرتے ہیں۔“

(7)

بنی ظفر کا ایک شخص ربیع نام اونٹ خرید کر اپنے علاقہ کو لے جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ اسی طرح جا رہا تھا کہ بنی نجارت کے ایک شخص کے پاس سے گزر جو اپنی جھونپڑی کے باہر بیٹھا ہوا تھا۔ ربیع کو دیکھ کر کہنے لگا:- ”کہو بھئی تم کون ہو؟ کہاں سے آ رہے ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟“

ربیع نے کہا ”نہیں بتاتے اور تو پوچھنے والا کون ہوتا ہے؟ اور یہ بتلا کہ تھے یہ کہ تو نے یہ کیوں پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ اور یہ بھی بتلا کہ تھے یہ پوچھنے کا کیا حق تھا؟“ یہ کہہ کر ایک ہی وار میں اُس کا سر اڑا دیا۔

اس کے نتیجے میں بنو ظفر اور بنو نجارت میں وہ زور شور کی جنگ ہوئی کہ خدادے اور بندہ لے۔

(8)

ذیل کا واقعہ عربوں کی چھات کا شاہکار ہے۔ سنیہ اور ان کی درندگی پر تجھب کیجئے:-

بیٹھے بیٹھے ایک روز خبر نہیں کیا خیال آیا کہ بنی یااضہ کے سردار عمر بن نعمان نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ جس جگہ رہتے ہو، یہ ہرگز آدمیوں کے رہنے کے قابل نہیں ہے۔ پانی کی یہاں قلت، گھاس کی یہاں کمی، ازار کا یہاں فقدان، کھیتی یہاں ندارو، آب و ہوا یہاں کی خراب، غرض

پورا علاقہ خاصا جہنم ہے۔ لیکن اس کے بال مقابل بنی نصیر اور بنی قریظہ کی آبادیاں نہایت سرسبز و شاداب ہیں، آب و ہوا بھی اچھی ہے۔ پانی بھی مل جاتا ہے اور مویشی کے لئے چارہ بھی دستیاب ہو جاتا ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ وہ تو آرام سے رہیں اور ہم مصیبت سہیں۔ ہرگز وہ لوگ کسی بات میں ہم سے بہتر نہیں ہیں۔ لہذا ان زمینوں پر ان کا کیا حق ہے؟ انہیں فوراً کہلا کر بھیجا جائے کہ یا تو اپنی تمام زمینیں ہمارے حوالے کر دو ورنہ تمہارے چالیس لڑکے جو ہمارے ہاں آئے ہوئے ہیں سب کو پکڑ کر مارڈا لاجائے گا۔

جب یہ انوکھا پیغام بنی قریظہ اور بنی نصیر کے پاس پہنچا تو وہ ہٹکا بٹکا رہ گئے کہ یہ کیا ہو گیا۔

بچوں کی سلامتی کی خاطر انہوں نے اس بات کا ارادہ کر لیا کہ وطن چھوڑ کر کہیں نکل جائیں اور اپنی جائیدادیں بنی بیاضہ کے سپرد کر کے جہاں سینگ سماں میں چلے جائیں۔

وہ جلاوطنی کی تیاریاں کر رہی رہے تھے کہ ایک شخص کعب بن اسد نے انہیں یہ پڑھائی کہ بچوں کا کیا ہے پھر بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ مگر گیا ملک پھر ہاتھ نہیں آ سکتا۔ اس لئے بچوں کو قتل ہو جانے دو مگر ملک نہ چھوڑو۔

قبيلے والوں کو یہ ”سیدھی سی بات“ سمجھ میں آگئی اور انہوں نے بنی بیاضہ کو کھلا بھیجا کہ ”بچوں کو بے شک مار ڈالو، ہم ملک نہیں چھوڑیں گے“۔

جب بنی نضیر اور بنو قریضہ کا جواب بنی بیاضہ کے پاس پہنچا تو ظالم عمر و بن نعمان نے اُن کے بے گناہ بچوں کو پکڑا اور سب کو نہایت بے رحمی کے ساتھ ذبح کر ڈالا۔

اس پر دونوں فریقوں میں بڑی زبردست اور خوف ریز جنگ ہوئی جس میں ہزاروں کھیت رہے۔

(9)

شہزادت اور بیہودگی اُن کی رگ رگ میں بھری ہوئی تھی جس کا مظاہرہ ہر موقع پر ہوتا رہتا تھا۔ بڑے بڑے ہولناک فتنے اُن کی شہزادت سے پیدا ہوتے رہتے تھے۔ مگر وہ اپنی کرتوں سے بازنہیں آتے تھے۔ مثلاً ایک واقعہ سنئے:-

حاطب بن قیس ایک شخص تھا۔ اُس کے پاس بنی لعلہ کا ایک آدمی مہمان آیا۔ حاطب اپنے مہمان کو لے کر ایک بازار میں گیا جس کا نام سوق بنی قبیقان تھا۔ وہاں اُس وقت ایک بڑا شریر اور فسادی شخص پھر رہا تھا۔ زین الدین حارث اس کا نام تھا۔

یزید اُس مہمان کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ کوئی اجنبی آدمی ہے۔ شرارت جو سوچھی تو ایک یہودی سے کہنے لگا کہ اگر تو اس اجنبی مسافر کی کمر میں زور سے ایک لات مار دے تو میں تجھے ابھی اپنی چادر دے دوں گا۔

یہودی تیار ہو گیا۔ مگر اُس نے اپنی اجرت پیشگی مانگی۔ اس پر یزید نے اپنے بدن پر سے چادر اٹا رکر اُس کے حوالے کی اور کہا ”لے اب تماشا دکھا۔“

یہودی تیار ہو کر بہت آہستہ آہستہ اُس کے پیچھے گیا اور موقع دیکھ کر اُس کے ایک لات اتنے زور سے ماری کہ غریب مہمان اوندھے منہ گرتے گرتے بچا۔

جب لوگوں نے تماشا دیکھا تو ہنسنے اور ٹھٹھھے مارنے لگے۔ اُن کو تفریح کا اچھا خاصاً موقع ہاتھا آگیا۔

مہمان نے لات کھا کر اپنے میزبان کو مدد کے لئے پکارا۔ وہ آیا تو مہمان کی زبانی واقعہ سن کر نہایت غضبناک ہوا اور مارے غصہ کے آپ سے باہر ہو گیا۔ تلوار اٹھائی اور یہودی کی کھوپڑی اُڑادی۔

یزید کو یہودی کے مارے جانے کی خبر ہوئی تو وہ دوڑا ہوا آیا کہ حاطب کا کام تمام کر دے اور تلوار لے کر اُس پر جھپٹا، مگر وہ بچ کر نکل گیا۔

اتفاقاً اُس کے خیمه میں بنی معاویہ کا ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ یزید

جب حاطب کو ڈھونڈتا ہوا اُس کے خیمہ میں گیا تو اُس شخص کو وہاں بیٹھا ہوا دیکھ کر کہنے لگا کہ اگر حاطب بھاگ گیا تو کیا ہوا۔ اُس کا بدلہ اس شخص سے کیوں نہ لیا جائے جو اُس کے خیمہ میں بیٹھا ہے اور اس وقت اُس کا مقام ہے۔

حالانکہ بنی معاویہ کے اس شخص کو پتہ بھی نہیں تھا کہ کیا قصہ ہوا؟ مگر یزید نے غصہ میں آ کر فوراً اس پر حملہ کر دیا۔ ایک سینڈ کے بعد اُس بے گناہ کی لاش فرشی خاک پر تڑپ رہی تھی۔ اس پر اوس اور خزر ج کے قبائل کے درمیان اس زور شور کی جنگ ہوئی کہ خدا کی پناہ!

لڑائی کے دوران میں بعض لوگوں نے باہم صلح کروانی چاہی اور یہ بھی کہا کہ دونوں فریقوں کا جو مالی اور جانی نقصان ہوا ہے، اُس کا تاداں اور معاوضہ ہم ادا کر دیں گے۔ مگر قبیلہ اوس کے سردار عمر بن نعمنا اور خزر ج کے رئیس حفیر بن سماک نے اس پیش کش کو ٹھکرایا۔

جب دونوں طرف کے ہزاروں آدمی قتل ہو چکے، بہت سی عورتیں بیوہ ہو چکیں، سینکڑوں بچے یتیم ہو چکے، تب جا کر کہیں لڑائی تھی۔ جاہلیت کی تاریخ میں یہ لڑائی جنگِ حاطب کے نام سے مشہور ہے غرض یونہی روز ہوتی تھی تکرار ان میں یونہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

## اُخْلَاقُ كَاجْنَازَه (33)

### جَهَالَتْ كَكَنْدَهْ پَرْ

عربوں کی بُت پرستی اور ان کی وحشت کی داستانیں تو سُن چکے،  
 اب ان کی جہالت کی حکایتیں بھی سنو! اخلاقی حالت ان کی بدترین تھی۔  
 جو عادت تھی نہایت نامعقول، جو رسم تھی بہت بے ہودہ، پڑھنا لکھنا عیب  
 جانتے اور اسے غلاموں کا کام سمجھتے تھے۔ جاہل رہنے پر فخر کرتے اور لکھے  
 پڑھے آدمیوں کو حقیر جانتے تھے۔ شرفاء اور معزز لوگوں کے نزدیک اس  
 سے زیادہ ذلیل بات اور کوئی نہ تھی کہ ان کا کوئی فرد لکھنا پڑھنا جانتا ہو۔ نہ  
 معلوم کیا شوق چڑا یا کہ جاہلیت میں حضرت عمرؓ نے بہت خفیہ طور پر کسی غلام  
 سے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا۔ مگر اس بات کو مخفی رکھتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ  
 کسی شخص کو اس کا پتہ نہ لگے۔ اُنہی ایسا مکاذکر ہے کہ اتفاقاً ایک روز ان کا  
 ایک دوست ان کے پاس آیا جو ان کے اس 'عیب' سے واقف تھا۔ اور  
 آتے ہی کہنے لگا کہ میں اس وقت تمہارے پاس ایک بہت ہی ضروری کام  
 کے لیے آیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مجھے فلاں شخص کے نام جو یثرب میں رہتا  
 ہے۔ ایک خط لکھ دو، قافلہ جا رہا ہے، میں ایک آدمی کے ہاتھ اُسے یہ خط  
 بھیج دوں گا۔

عمر کہنے لگے:- ”پاگل ہوا ہے، میں بھلا ایسا کام کر سکتا ہوں؟ اگر تیرا خط لکھ دوں تو میری جان آفت میں آجائے اور ساری قوم میں نکو بن کر رہ جاؤں گا۔ جاؤ چلتے پھر تے نظر آؤ۔“

دوست نے کہا:- ”میاں خبر ہی کسے ہو گی کہ تم نے لکھایا کسی غلام نے، لکھ بھی دو۔ میری ضرورت رفع ہو جائے گی۔ تمہارا کوئی نقصان نہیں ہو گا۔“

عمر نے جواب دیا:- ”نه بھائی! یہ بڑا خطرناک کام ہے۔ میں ہرگز اس جھمیلے میں پڑنے کے لئے تیار نہیں۔ اگر ذرا بھی کسی کے کان میں بھنک پڑ گئی تو میری سخت بدنامی ہو گی اور میں شہر میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ بھلا کہیں لکھنا پڑھنا شریف آدمیوں کا کام ہے؟“

دوست نے خوشامد نہ لمحے میں کہا:- ”میاں! لکھ بھی دو۔ اگر اشد ضرورت نہ ہوتی تو میں اس قدر اصرار نہ کرتا۔“

عمر نے کہا:- ”اچھا خیر! تم اصرار کرتے ہو تو لکھ دیتا ہوں۔“

بشر طیکہ تم اس بات کا پختہ وعدہ کرو کہ ہرگز کسی سے یہ بات نہ کہو گے کہ یہ خط عمر نے لکھا ہے، کیونکہ اگر کسی کو ذرا بھی پتہ لگ گیا تو مفت میں بدنامی ہو جائے گی۔“

دوست نے ہبل کی قسم کھا کر پٹکا وعدہ کیا۔ تب عمر نے خط لکھا۔

اُن کی درندگی کی حالت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ بڑی آزادی اور بے باکی کے ساتھ ڈاکے مارتے اور مسافروں کو لوٹتے اور قتل کرتے تھے۔ غصب یہ تھا کہ اس سفا کی اور بھیمت پر قطعاً نہ شرماتے بلکہ اپنے اشعار میں فخر یہ اس لوت مار کا اظہار کرتے تھے۔ قتل و غارت سے پہلے آزادانہ جلسے کر کے اس بات کا مشورہ کرتے کہ کہاں ڈاکہ ڈالنا چاہیے؟ کس قبیلہ کو لوٹنا چاہیے؟ اور کس ذریعہ سے مال مویشی حاصل کرنے چاہیے؟

اُن کی اس حالت کا نقشہ مولانا حالی نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔  
 چلن اُن کے جتنے تھے سب وحشیانہ  
 ہر ایک لوت اور مار میں تھا یگانہ  
 فسادوں میں کلتا تھا اُن کا زمانہ  
 نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ  
 وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے  
 درندے ہوں جگل کے بیباک جیسے  
 شیخی، گھمنڈ اور تعلیٰ میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ انتہا یہ ہے کہ  
 اپنے بزرگوں کی قبروں پر چلے جاتے اور لوگوں سے کہتے کہ: ”دیکھو! یہ  
 ہمارے فلاں بزرگ کی قبر ہے۔ جو نہایت بہادر اور بڑا دلاور تھا۔  
 اگر تمہارے ہاں بھی کوئی ایسا عالمی قدر انسان ہوا ہو تو اُس کی قبر بتاؤ۔  
 ورنہ شرم سے منہ نہ دکھاؤ اور جلو بھر پانی میں ڈوب مراؤ۔“

جب اس طرح سے وہ لوگوں کو چیلنج دیتے تو پھر ان کو بھی غصہ آتا  
اور باہم خوب سرپھٹوں، لڑائی جھکڑا اور دنگا فساد ہوتا۔  
بے حیائی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ برہنہ کعبہ طواف کرتے اور کہا  
کرتے تھے کہ جب ماں کے پیٹ سے بغیر کپڑوں کے پیدا ہوئے ہیں تو  
برہنہ طواف کرنے میں کیا ہرجہ ہے؟  
بے شرمی کی انتہا یہ تھی کہ ایک عورت اکٹھے دس دس خاوند کر لیتی تھی  
اور جب چاہے اپنے سب شوہروں کو یادوتین کو طلاق بھی دے دیتی تھی۔  
اسی طرح مرد بھی مختار تھے کہ جس قدر رجا ہیں بیویاں کر لیں۔ چنانچہ غیلان  
بن سلمہ نامی ایک شخص کے دس بیویاں تھیں۔ مردا کثر اپنے دوستوں سے  
اپنی بیویاں بدل بھی لیا کرتے تھے۔

ایک نہایت ہی شرم ناک رسم اُن میں یہ پھیلی ہوئی تھی کہ اگر باپ  
کی کئی بیویاں ہوتیں اور باپ کا انتقال ہو جاتا تو اپنی اصلی ماں کو چھوڑ کر  
سو تینی ماوں میں سے جس سے چاہتے نکاح کر لیتے۔ دوسری بہنوں سے  
بھی ایک ساتھ نکاح کر لینے میں کوئی ہرج نہ سمجھتے تھے۔

جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تو وہ ایک سال تک عدت میں  
رہتی عدت گزارنے کی صورت نہایت عجیب و غریب تھی۔ پُرانے، میلے  
اور بد بودار کپڑے پہن کر اپنے مکان کی سب سے تاریک کوٹھڑی میں

جس کی چھت بہت نیچی ہوتی، بیٹھ جاتی۔ اس عرصہ میں نہ نہاتی، نہ کپڑے بدلتی، نہ ناخن کٹواتی اور نہ خوبصورگاتی۔ جب اس حالت میں ایک سال گزر چلتا تو ایک گدھا اُس کے پاس لایا جاتا جس سے وہ اپنا جسم اچھی طرح رکھتا تھا، اس کے بعد اونٹ کی مینگنیاں لائی جاتیں، عورت کھڑی ہو کر اپنے ہاتھ پھیلادیتی اور وہ مینگنیاں اُس کی ہتھیلیوں پر رکھ دی جاتیں، عورت وہ مینگنیاں اپنے کندھوں کے اوپر سے اپنے پیچھے پھینک دیتی۔ اس عمل کے ساتھ عدد ختم ہو جاتی۔

ماں باپ کا ترکہ اُن کے ہاں صرف اُن جوان لڑکوں کو ملتا جو لوٹ مار میں خوب چاق و چوبند ہوتے اور دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتے۔ عورتوں، لڑکیوں اور چھوٹے بچوں کو درشنا سے محروم رکھتے اور انہیں کچھ نہ دیتے۔

سود لینے اور سود در سود وصول کرنے میں یہودیوں اور بیٹوں کے بھی کان کا ٹتھتھے۔

شراب اس قدر کثرت کے ساتھ پینے تھے کہ اتنی زیادتی کے ساتھ ہم پانی بھی نہیں پینے۔ بخیل سے بخیل اور کنجوس سے کنجوس شراب پینے میں اپنا مال بے در لغع لٹاتا تھا اور اُس پر فخر کرتا تھا۔ شراب کی مخلفیں جگہ جگہ بڑے زور شور سے منعقد ہوتیں اور اُن میں خم کے خم بڑی آزادی سے

لنڈھائے جاتے۔ انتہا یہ ہے کہ اپنے عزیزوں اور دوستوں کی قبروں پر بھی شراب چھڑک کر محبت کا اظہار کرتے تھے۔ قبروں پر شراب چھڑکنے کے علاوہ ان کو اونٹوں اور گھوڑوں کے خون سے بھی ترکتے تھے۔ جو اکھیلنا اُن کے نزدیک نہایت مقدس اور بڑا مترک مشغله تھا۔

جو آدمی جو انہیں کھیلتا تھا اُسے ذلیل سمجھتے اور بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ جو انہ کھیلنے والے کی برادری اور قبیلے میں کوئی وقعت نہیں ہوتی تھی اور ایسا آدمی سب جگہ بدنام ہو جاتا تھا۔ جو اکھیلنا میں مال تو الگ رہا، بیویاں تک ہار دیتے تھے۔

جب کوئی شخص مرنے لگتا تو اپنی لاش پر نوحہ اور ماتم کرنے کی وصیت کر جایا کرتا تھا۔ چنانچہ اُس کے انتقال کے بعد خاندان کی ساری عورتیں اُس کے مکان میں جمع ہوتیں، اپنے سر کے بال کھول ڈالتیں، اور سر میں راکھ بھر کر ماتم کرنے بیٹھ جاتیں اور اتنے زور شور کے ساتھ سیاپا ڈالتیں کہ محلہ گونج اٹھتا۔ ماتم کرتے وقت اپنے منہ پر طما نچے مارتیں، گریبان پھاڑ ڈالتیں، جو عورتیں بہت قربی رشتہ دار ہوتیں وہ اپنا سر بھی منڈ وادیتی تھیں۔

جب جنازہ اٹھتا تو ساتھ جانے کے لئے نوحہ کرنے والی عورتیں اُجرت پر بلوائی جاتیں اور سارے خاندان والے مردوں عورت نگے پاؤں

میت کے پچھے پچھے چلتے۔

جب مردے کو دفن کر کے آتے تو بڑی شان اور نہایت اہتمام کے ساتھ اُس کا تیجہ، دسوال بیسوال، چالیسوال، چھ ماہی، اور بر سی کرتے۔

میت اگر کسی سخنی اور مشہور آدمی کی ہوتی تو دفن کے بعد ایک اونٹنی اس کی قبر پر باندھ دیتے۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ قبر کے پاس ہی اتنا بڑا ایک گڑھا کھوڈتے جس میں اونٹنی کھڑی ہو سکتی۔ اس کے بعد اُس اونٹنی کو گڑھے میں اس طرح کھڑا کرتے کہ اُس کی گردان خوب مروڑ کر دُم کی طرف کر دیتے اور چاروں پاؤں اور گردان رسیوں سے اچھی طرح جکڑ دیتے۔ پھر اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر گھر چلے آتے۔ نہ اُسے کھانے کو دیتے، نہ پینے کو۔ یہاں تک کہ وہ بیچاری کھڑی کھڑی اور بندھی بندھی ہلاک ہو جاتی۔

## خوفناک نظارہ<sup>(34)</sup>

عرب و یسے ہی بدترین رسومات کا گھوارہ تھا۔ مگر سب سے زیادہ ظالمانہ اور وحشیانہ رسم عرب کے اکثر قبیلوں میں لڑکیوں کو مار ڈالنے کی تھی۔ یہ رواج اتنا ہولناک اور درد انگیز تھا کہ اُس کا حال پڑھ کر بدن کے رو نگئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان لوگوں کی بے رحمی اور سفا کی پر حیرت ہوتی ہے۔

لڑکیوں کو مارنے کے مختلف طریقے تھے۔ عام قاعدہ یہ تھا کہ جب لڑکی پانچ، چھ برس کی ہو جاتی تو ایک روز باپ جا کر جنگل میں ایک بڑا سا گڑھا کھود آتا۔ پھر لڑکی کو نہلا دھلا کر اچھے کپڑے پہناتا، بناتا سنوارتا، بال درست کرتا، خوشبوئیں لگاتا، اور اپنے ساتھ جنگل میں لے جاتا تھا۔ وہاں اُسے گڑھے کے کنارے پر کھڑا کر کے کہتا کہ ”نیچے دیکھ کیا نظر آتا ہے؟“ جب وہ نیچے دیکھتی تو باپ اُسے زور سے دھکا دے دیتا اور اوپر سے مٹی ڈال کر گڑھے کو برابر کر دیتا۔

بعض لوگ اسی طرح لڑکی کو پہنا اُڑھا کر پھاڑ کی چوٹی پر لے جاتے اور وہاں سے ننھی سی جان کو نیچے لڑھکا دیتے۔

بعض آدمی لڑکی کی کمر میں پتھر باندھ کر اُسے کسی چشمے میں ڈبو

دیتے۔ بعض ایسے بھی تھے کہ لڑکی کے پیدا ہوتے ہی اُسے جنگل میں لے جا کر زندہ گاڑ آتے تھے اور بعض جو جنگل میں لے جا کر لڑکی کو مارنا نہیں چاہتے تھے وہ یہ کام کرتے کہ ماں سے کہتے کہ بچی کا سر اور ٹانگیں دونوں ہاتھوں سے پکڑ لے۔ پھر خود چھری لے کر اُسے ذبح کر ڈالتے اور صحن میں گڑھا کھود کر دبادیتے۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ یہ نہایت ظالمانہ کام خود ماں انعام دیتی تھی۔ اسکے متعلق مولانا حالی فرماتے ہیں۔

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر

تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر  
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور  
کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اُس کو جا کر  
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی  
جنے سانپ جیسے کوئی جنے والی

ایک مرتبہ ایک شخص جو مسلمان ہو گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ سے کہنے لگا کہ:- ”حضور! ہماری نجات اور بخشش کس طرح ہو گی؟ ہم نے تو مسلمان ہونے سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بڑے بڑے گناہ کیے ہیں۔ میری ایک بچی تھی، نہایت پیاری صورت کی اور بڑی بھولی بھالی، مجھ پر

اپنی جان فدا کرتی اور ہر وقت میرے آگے پیچھے پھرا کرتی تھی۔ جب میں گھر آتا دوڑ کر مجھ سے لپٹ جاتی، کبھی میری گود میں لیٹ جاتی کبھی میرے کندھوں پر چڑھ جاتی، با تیس ایسی میٹھی میٹھی کرتی کہ غیروں کو بھی اُس پر پیار آتا۔ جب وہ چھ برس کی ہو گئی تو ایک روز میں نے اُسے نئے کپڑے پہنانے۔ جن کو پہن کروہ چین کی ایک بڑی سی گڑیا معلوم ہونے لگی۔ میں نے کہا: ”چل میرے ساتھ“، اس پر وہ ہنستی ہوئی خوشی خوشی لگی۔ میں اسے ایک کنوئیں پر لے گیا اور جب اُسے اُس میرے ساتھ ہولی، میں اسے ایک کنوئیں میں گر پڑی اور فوراً مر گئی۔“ میں دھکا دینے لگا تو وہ کہنے لگی کہ ”ہیں ابا جان! کیا کرتے ہو؟ میں گر پڑوں گی۔“ میں نے اس کی پرواہ نہ کی اور زور سے اسے دھکا دے دیا۔ وہ کنوئیں میں گر پڑی اور فوراً مر گئی۔“

یہ دردناک قصہ سن کر آنحضرت ﷺ اتناروئے کے حضور ﷺ کی ساری ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

اسی طرح اپنی لڑکی کا واقعہ ایک آدمی نے آنحضرت ﷺ سے یہ بیان کیا کہ ”ابھی میری لڑکی دو، ہی برس کی تھی کہ میں نے اُسے زندہ دفن کرنا چاہا میں اُسے جنگل میں لے گیا اور جب گڑھا کھود کر اُس میں اُسے دبانا چاہا تو پچھی نے میرا دامن اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے پکڑ لیا، میں نے جھٹکا دے کر اپنا دامن پھر لیا اور جلدی گڑھے میں مٹی بھردی جب

تک میں زمین برابر کرتا رہا۔ اُس وقت تک گڑھے میں سے ابی ابی کی آوازیں آتی رہیں۔“

یہ ستیانا سی رسم عرب میں اس طرح جاری ہوئی کہ بنی تمیم کا قبیلہ حیرہ کا بادشاہ نعمان بن منذر کا تالع تھا اور اُسے خراج دیا کرتا تھا مگر بعد میں اُس نے سرکشی اختیار کی اور خراج دینا بند کر دیا۔ نعمان نے اپنے بھائی کو کچھ فونج دے کر اس قبیلے کی سرکوبی کے لیے بھیجا وہ آیا اور قبیلے کی بہت سی بھیڑ بکریاں کچھ اونٹ اور بہت سی عورتیں پکڑ کر لے گیا۔

بعد میں قبیلے والے اپنے فعل پر پیشمان ہوئے۔ اور نعمان کے پاس عفوِ تقییر کے لئے اپنے سرداروں کو بھیجا انہوں نے آکر اپنے قصور کی معافی چاہی اور آئندہ کے لیے مطیع رہنے کا وعدہ کیا۔ جب نعمان نے ان کو معاف کر دیا۔ تو انہوں نے اپنے مویشی کی واپسی اور اپنی عورتوں کی رہائی کی درخواست کی۔ نعمان نے مویشی وغیرہ تو واپس کر دیئے۔ مگر عورتوں کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ جو عورت اپنی خوشی سے واپس جانا چاہے۔ وہ چلی جائے اور جونہ جانا چاہے اُس پر جبرناہ کیا جائے، وہ یہیں رہے گی۔

انہی عورتوں میں قیس بن عاصم نامی ایک شخص کی لڑکی بھی تھی۔ قیس نے اُس کے شوہر کو اُسے لینے کے لئے بھیجا تو اُس نے واپس آنے سے انکار کر دیا اور جو آدمی اسے قید کر کے لے گیا تھا اُسی کے پاس رہنا چاہا۔

جب باپ کو یہ حال معلوم ہوا تو اُسے لڑکی کی حالت پر نہایت سخت طیش آیا اور اُس نے قسم کھائی کہ آئندہ میرے ہاں جو بھی لڑکی پیدا ہو گی میں اُسے زندہ گاڑ دیا کروں گا۔ چنانچہ اُس ظالم نے اپنی بارہ، تیرہ لڑکیوں کو جو بعد میں پیدا ہوئیں، اسی طرح ہلاک کر ڈالا۔

اس کے بعد آہستہ آہستہ یہ رسم بد پھیلتی گئی۔ یہاں تک کہ ملک عرب کے اکثر قبائل اس نجاست میں مبتلا ہو گئے۔

اُف خدا کی پناہ! کتنا دلدوز، کس قدر رحستناک اور کیسا خوفناک وہ نظارہ ہوتا ہوگا، جب باپ اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو اپنے ہاتھ سے گڑھا کھو دکر زندہ دفن کرتا ہوگا؟

یہ رسم رو ز روشن کی طرح اس حقیقت کو ظاہر کر رہی ہے کہ قساوتِ قلبی اور سُنگ دلی اور بے رحمی میں عرب لوگ ساری دنیا سے بڑھے ہوئے تھے۔

## مضحكہ خیز توہماں

(35)

عربوں کے توہماں، تجھیلات، شگون اور اعتقادات بھی بڑے عجیب اور دنیا جہان سے نزالے تھے۔ مثلاً

(1)

جس سال مینہ نہ برستا اور بارش نہ ہوتی تو وہ یہ کام کرتے کہ چند گائیں لے کر ان کی دموم سے کچھ لکڑیاں باندھ دیتے اور پھر ان کو آگ لگا دیتے۔ پھر ان گائیوں کو پھاڑوں پر چڑھاتے اور وہاں پہنچ کر اپنے بتوں سے بارش کی دعائیں لگانگتے۔

(2)

اُن کا اعتقاد تھا کہ جب آدمی کو بھوک لگتی ہے تو اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کے پیٹ میں ایک سانپ مستقل طریقہ سے رہتا ہے۔ جس وقت وہ سانپ انسان کی پسلیوں اور اُس کے جگر کو کاشتا ہے تو آدمی کو بھوک محسوس ہوتی ہے۔

(3)

جب کسی شخص کے دماغ میں فرق آ جاتا، اور وہ پاگل ہو جاتا تو العربوں کے اعتقاد کے موافق اُس پر خبیث روحوں کا سایہ ہو جاتا تھا۔ اس

کا علاج وہ اس طرح کرتے کہ نہایت گندے اور غلیظ کپڑے یا بد بودار ہڈیاں اُس کے گلے میں باندھتے اور یقین کرتے کہ ان کے اثر سے ناپاک روح اس آدمی کو چھوڑ کر چلی جائے گی۔

(4)

سانپوں کو جوں کا دوست سمجھتے تھے اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ اگر سانپ کو جان سے مارا گیا تو جن اُس کا بدله ضرور لے گا۔ اس کا تواریخ وہ اس طرح کرتے کہ سانپ کو مارتے ہی فوراً گوبر میں چھپا دیتے۔

(5)

جس عورت کے بچے ہو ہو کر مر جاتے۔ اُس کے علاج کے لیے ان کے ہاں یہ ٹوٹکا تھا کہ وہ عورت کسی مقتول کی لاش کو اپنے پاؤں سے روندے اُن کا اعتقاد تھا کہ ایسا کرنے سے اُس عورت کا یہ مرض دور ہو جائے گا۔

(6)

جب اُن پر کوئی قوی دشمن حملہ کرتا اور اُس کے مقابلے کی طاقت وہ نہ رکھتے تو اُن کی عورتیں میدانِ جنگ میں جا کر دونوں لشکروں کے درمیان بیٹھ کر پیشاب کرتیں، اُن کا اعتقاد تھا کہ ایسا کرنے سے جنگ پیشاب میں بہہ جائے گی اور صلح ہو کر جنگ کی آگ بجھ جائے گی۔

(7)

جب کسی بدوی کے پاس خوش قسمتی سے ایک ہزار اونٹ ہو جاتے تو چونکہ یہ اُس وقت کے لحاظ سے بہت بڑی دولت تھی۔ لہذا نظرِ بد سے بچنے کے لیے وہ اپنے اونٹوں میں سے ایک کی ایک آنکھ پھوڑ دیتے۔ خواہ اُسے کتنی تکلیف ہوتی اور وہ درد کے مارے کتنا ہی چیختا چلا تا۔

جب اونٹوں کی یہ تعداد بدوی کے پاس ایک ہزار سے بڑھ جاتی تو بھروسہ اُس کی دوسری آنکھ بھی پھوڑ دیتا۔ اس طرح ایک اونٹ کو بیکار کر دینے سے اُن کے خیال میں سارے اونٹ نظرِ بد سے محفوظ ہو جاتے تھے۔

(8)

جب کسی کو بخار ہو جاتا تو وہ یہ کام کرتا کہ ایک ڈورا لے کر کسی درخت سے باندھ آتا اور یہ اعتقاد رکھتا کہ جو کوئی اس ڈورے کو کھولے گا اسی کو میرا بخار چڑھ جائے گا اور میں تند رست ہو جاؤں گا۔

(9)

سب سے زیادہ فساد انگیز اور تباہ کن اعتقاد اُن کا یہ تھا کہ جب کوئی آدمی کسی کے ہاتھ سے مارا جاتا ہے تو قتل ہونے والے کے سر میں سے ایک اُلوٹکلتا ہے (جسے وہ لوگ 'ہامہ' کہتے تھے) یہ اُلوٹکلگوں میں انتقام انتقام پکارتا پھرتا تھا۔

اب مقتول کے رشتہ داروں کا فرض ہو جاتا تھا کہ وہ قاتل کو جہاں پا نہیں قصاص میں قتل کر ڈالیں۔

جب وہ اُسے قتل کر ڈالتے تھے تو پھر اُس قتل ہونے والے کے سر میں سے ہامہ نکلتا تھا اور بیابانوں میں انتقام انتقام کی صدالگاتا پھرتا تھا۔

جب اُس کے خاندان والے اُس کے بدله میں دوسرے قبیلے کے آدمی کو قتل کر دیتے تھے تو پھر اس کے سر سے اُلوپیدا ہوتا تھا اور وہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے انتقام کی ہولناک آواز لگاتا تھا۔

غرض اسی طرح ہر قتل ہونے والے کے سر میں سے ہامہ نکلتا رہتا تھا اور صحراؤں میں پھر کر انتقام کا نعرہ لگاتا رہتا تھا۔ جس کا انتقام لے لیا جاتا تھا اس کا اُلو مر جاتا تھا اور جس کا قصاص نہیں لیا جاتا تھا یا نہیں لیا جاسکتا تھا اُس کا اُلو وادیوں میں مارا مارا پھرتا تھا اور انتقام انتقام پکارتا رہتا تھا۔ اس اعتقاد کا نتیجہ یہ تھا کہ قتل کا ایک لامتناہی سلسلہ پھیلتا چلا جاتا تھا اور انتقام کی آگ ہر قبیلہ میں برابر روشن رہتی تھی۔

جب کسی قبیلہ کے لوگوں کو بزدلی کا طعنہ دینا ہوتا تو کہا کرتے تھے ”کہ تم لوگ ہمارے سامنے کیا منہ لے کر بول سکتے ہو، تمہارے خاندان کے تو اتنے اُلو بھی ابھی تک ویرانوں میں پھر رہے ہیں،“ مطلب یہ ہے کہ تم اتنے بُردار ہو کہ اپنے مقتولوں کا انتقام بھی نہیں لے سکتے۔

## تاریکی میں روشنی<sup>(36)</sup>

جو کچھ اور کے بیانوں میں تم نے پڑھا۔ یہ اُس کیفیت کا مختصر سا خاکہ ہے جو اُس وقت عرب کی تھی۔ نہ صرف عرب کی بلکہ ساری دنیا کی اُس زمانہ میں قریباً یہی حالت تھی۔

عرب کے ہمسایہ ملک ایران میں آتش پرستی زوروں پر تھی اور لوگ عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے ہر قسم کے فسق و فجور کے عادی بن چکے تھے۔

ہندوستان ایک کروڑ آسٹری لاکھ معبدوں کے قبضے میں بُری طرح پھنسا ہوا تھا اور اپنے سوا ساری دنیا کو ملپچھ سمجھتا تھا۔ خود اُس کے اپنے ملک میں شودروں کی حالت کتوں سے بھی بدتر تھی۔ برہمن خدا بنے بیٹھے تھے اور سارے ملک کو اپنی مخلوق سمجھتے تھے۔

چین کا وسیع اور عریض ملک سارے کاسارا عناصر پرستی میں بنتا تھا۔ دیوتا بھی وہاں پوری شان سے براجماں تھے۔

باقی سارا ایشیا، تاریک برا عظم، کی حیثیت رکھتا تھا۔ جس میں لوگ جنگلیوں اور حشیوں کی زندگی بسر کرتے تھے۔

یورپ میں اُس وقت صرف یونان اور روما کی سلطنتیں قابل ذکر

تحصیں اور ان کو اپنی قدیم تہذیب اور شاستری پر فخر بھی تھا۔ مگر دونوں ملکوں پر اضمام پرستی کی گھری گھٹاچھائی ہوئی تھی۔ جہاں ہزاروں دیوتا صدیوں سے حکومت کر رہے تھے۔ باقی کا سارا برابر عظم خونخوار بھیڑیوں اور وحشی درندوں سے بھرا ہوا تھا۔ جو ہر طرف لوٹ مار کرتے پھرتے تھے۔ بھٹوں اور غاروں میں رہتے اور انسان کی کھوپڑیوں میں شراب پیا کرتے تھے۔ افریقہ میں صرف مصر ایسا ملک تھا۔ جہاں تہذیب و تمدن کے کچھ آثار نظر آتے تھے، مگر وہ بھی دیوتاؤں کی سرز میں تھی اور خدا کو وہاں بھی کوئی نہ جانتا تھا۔

امریکہ اور آسٹریلیا کے ممالک اُس وقت معدومِ محض تھے اور کوئی بھی انہیں نہ جانتا تھا۔

مختصر یہ کہ دنیا کے پردے پر اُس وقت کوئی ملک بھی ایسا نہ تھا جہاں بیشمار دیوتاؤں کی پوجا نہ ہوتی ہو۔ جہاں گھر گھر بُت رکھے ہوئے نہ ہوں اور جہاں ہر شخص کا معبد اگ نہ ہو۔ خدائے واحد کی پرستش کہیں بھی نہ تھی۔ خدا کو قادر مطلق، حیٰ و قیوم، خالق و مالک اور واحد لاشریک سمجھنے والے اور خالص اُسی کی عبادت کرنے والے اُس وقت دنیا سے قطعاً ناپید تھے۔

خدا کہتے تھے مٹی، آگ، پانی کو، ہواوں کو پہاڑوں اور دریاؤں کو، بجلی کو، گھٹاؤں کو

زمیں پر خاک ، پتھر اور شجر معبد تھے ان کے  
 فلک پر انجم و شمس و قمر معبد تھے ان کے  
 مُرادیں مانگتے تھے ہر وجود بے حقیقت سے  
 نہ تھا محروم کوئی ، جو خدا ، ان کی عبادت سے  
 جب کفر کی تاریکی انتہا کو پہنچ گئی ۔ ہر طرف ضلالت کا اندر ہیرا چھا  
 گیا اور ساری دنیا عناصر پرستی کے تباہ کن گڑھے میں جا پڑی ۔ تو خدائے  
 ذوالجلال والا کرام نے چاہا کہ اُس کی مخلوق اس ہولناک دلدل سے نکلے اور  
 اُس طاقت اور عظمت والے خدا کو پہچانے ۔ جو گل عالم کا حقیقی مالک اور  
 خالق ہے ۔ پس اُس نے اپنے بندوں پر کمال رحم فرمایا کر رحمۃ اللعاب میں ﷺ  
 کو بھیجا ۔ جس نے آکرتاریکی اور ہر ظلمت کو دور کر دیا اور دنیا کو خدا کا چمکتا  
 ہوا چہرہ پر دہ اٹھا کر دکھادیا ، جسے دیکھتے ہی سعید روہیں فوراً سجدے  
 میں گر پڑیں ۔ میرے ہادی ! میرے رہنماء ! میرے آقاء ﷺ ! تجھ پر کروڑ  
 ول سلام ، میرا جسم اور میری روح تجھ پر قربان ، تو نے پیدا ہو کر انسانیت کی  
 لاج رکھ لی ۔

## مُمْتَزِّر کے غار (37)

دنیا کی اس گندی اور ناپاک حالت کو دیکھ کر ملتے کے نیک نفس اور پاک باطن محمد ﷺ کا دل نہایت غمگین ہوتا تھا اور بڑی تڑپ آپ ﷺ کے دل میں اس بات کی پیدا ہوتی تھی کہ آدمی شیطانی کام نہ کریں اور نیک اور پاک باز زندگی اختیار کریں۔ ہزار سوچتے تھے مگر انہیں کوئی ایسا راستہ نہ ملتا تھا کہ دنیا کی اخلاقی حالت کی اصلاح ہو۔

آخر دن کا دل اس پاپوں بھری دنیا سے نفرت کرنے لگا اور انسان نہما بھیڑیوں کی صحبت سے انہیں وحشت ہونے لگی۔

مکہ کے قریب تین میل کے فاصلہ پر کوہ حرام میں ایک غار تھا۔ پانچ چھ دن کا کھانا اکٹھا لے کر آپ ﷺ اس غار میں چلے جاتے اور وہاں تہائی اور سکون میں بیٹھ کر سوچتے کہ ایسی کیا تدابیر اختیار کی جائیں کہ قوم کی اصلاح ہو اور ان کی حالت درست ہو۔

کبھی کبھی آپ ﷺ کی رفیق و مونس، ہمدرد و غمگسار اہلیہ بھی ساتھ آتیں اور دونوں میاں بیوی غار کی تاریکی میں قوم کے غم میں آنسو بہاتے، اُس کی درشیگی کے وسائل پر غور کرتے، اُس کے لئے دعائیں کرتے اور خدا کی یاد میں منہمک رہتے تھے۔

مدت تک اسی طرح ہوتا رہا۔ مگر آپ ﷺ کی پریشانی اور غمگینی کم نہ ہوئی لیکن ہاں اس دوران میں آپ ﷺ کو سچے خواب بہت آتے تھے۔ جو اکثر فوراً پورے ہو جاتے تھے۔  
یہ تھی نبوت کی ابتداء

## وَحْيٌ کا فرِشَةٌ<sup>(38)</sup>

ایک روز حب معمول آپ ﷺ غار میں تشریف رکھتے تھے کہ  
یک بھلی کی مانند ایک نیز روشنی نے آپ ﷺ کی آنکھوں کو چوندھیا دیا۔  
آپ ﷺ نے نظر اوپر اٹھائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بڑا عظیم الشان  
نورانی پیکر زمین و آسمان کے درمیان نور کے تخت پر متمن کن ہے اور بڑی  
عظمت اور شوکت اس پیکر روحانی پر برس رہی ہے۔

یہ تھا آسمانی فرِشَة! جو پہلی مرتبہ سرورِ عالم ﷺ پر خدا کی وحی لے  
کر آیا تھا۔ اس کا نام جبریلؑ تھا جسے روح القدس بھی کہتے ہیں۔  
آپ ﷺ نے جبریلؑ کو دیکھا اور حیران رہ گئے۔  
اب فرِشَة اپنے پُر جلال تخت سے اُترنا، اور آپ ﷺ کے سامنے  
آکر کھڑا ہو گیا۔

فرِشَة کا چہرہ چمک رہا تھا اور اُس میں سے نور کی شعائیں نکل نکل  
کرتا مام فضا کو منور کر رہی تھیں۔

فرِشَة نے کہا:- ”محمد! پڑھو“  
آپ ﷺ نے ایک گھبراہٹ کے ساتھ فرمایا:-  
”میں پڑھا ہو انہیں ہوں۔“

یہ سن کر جبر میں آگے بڑھا۔ آپ ﷺ کو پکڑا اور سینے سے لگالیا۔

پھر چھوڑ کر کہا:- ”اب پڑھو“

آپ ﷺ کا وہی جواب تھا کہ ”میں پڑھا ہو انہیں ہوں۔“

روح القدس نے دوبارہ آپ ﷺ کو چھاتی سے لگا کر بھینچا اور کہا

”اب پڑھو“

آپ ﷺ نے وہی جواب دیا جو پہلے دو مرتبہ دے چکے تھے۔

اس کے بعد خدا کے بھیج ہوئے فرشتہ نے تیسرا مرتبہ آپ ﷺ کو اپنے سینے سے چھٹایا اور پھر چھوڑ کر کہا:-

إِقْرَءُ بِإِسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلْقٍ ۝ إِقْرَءُ

وَرُثُوكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلْمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

(یعنی اپنے رب کا نام لے کر پڑھ، اُس رب کا نام جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور انسان کو گوشت کے لتوہڑے سے بنایا۔ تیرا پروردگار بڑی شان و عظمت والا ہے۔ اُسی نے انسان کو قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور اُسے وہ بتائیں بتائیں جن کا اُسے بالکل پتہ نہ تھا) آپ ﷺ فرشتہ کے ساتھ ساتھ یہ الفاظ پڑھتے رہے اور اُس کے بعد فرشتہ غائب ہو گیا۔

یہ تھی پہلی وجہ خدا ے ذوالجلال کی جانب سے ہمارے

آقا ﷺ پر نازل ہوئی۔

## غمگسار بیوی

(39)

غار جرا کا واقعہ میرے آقا علیہ السلام کیلئے بالکل نیا اور نہایت حیران کن تھا۔ فرشتے کے بھینچنے اور دبانے سے آپ علیہ السلام کو پسینہ آگیا اور آپ علیہ السلام بے حد گہرا گئے حضور علیہ السلام کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ یہ کیا ہوا؟ اور کیا ہونے والا ہے؟ سخت پریشانی کی حالت میں غار سے نکلے۔ پھر اڑ سے اترے اور جلدی جلدی گھر پہنچ۔

وفا شمار بیوی نے مقدس شوہر کی شکل دیکھی، تو گہرا گئی۔ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی: ”میری جان آپ علیہ السلام پر قربان! کیا ہوا؟ نصیبِ دشمناں کیا کچھ طبیعت خراب ہے؟“

آنحضرت علیہ السلام اس وقت کانپ رہے تھے اور حضور علیہ السلام کا دل دھڑک رہا تھا۔ فرمانے لگے۔ ”رَمْلُونِيْ رَمْلُونِيْ“ (مجھے کپڑا اڑھادو۔ مجھ پر چادر ڈال دو)

خدیجہؓ نے جلدی سے اپنے جسم پر سے چادر اتاری اور اپنے محبوب خاوند کو اڑھادی۔ پھر پاس بیٹھ کر بدن کو دبانے لگیں۔

کچھ دیر یہی حالت رہی اور حضور علیہ السلام کی کپکیا پہٹ جاری رہی۔ جب قدرے سکون ہوا تو بیوی نے بڑے ہی ہمدردانہ لمحے میں پوچھا ”واقعہ

کیا ہوا؟ اور کیوں آپ ﷺ اس قدر مضطرب ہیں؟ آپ ﷺ کا دل اب بھی دھڑک رہا ہے۔ جلدی بتلائیے۔ میرا دل آپ ﷺ کی حالت دیکھ کر بہت پر لیشان ہو رہا ہے؟“

حضور ﷺ نے فرمایا: ”خدیجہ! جو کچھ میں نے دیکھا ہے اور جو کچھ آج میرے ساتھ پیش آیا ہے۔ تم اس پر شاید ہی یقین کرو۔“ خدیجہ بولیں ”میرے محترم شوہر! فرمائیے کیا بات ہوئی۔ یقین کیوں نہ آئے گا؟ آپ ﷺ نے آج تک کوئی ایسی بات نہیں کی جس کا مجھے فوراً یقین نہ آگیا ہو۔“

حضور ﷺ فرمانے لگے: ”آج جبکہ معمول کے موافق میں غار کے اندر بیٹھا ہوا عبادت میں مشغول تھا کہ ناگاہ میری آنکھوں کے آگے ایک بھلی سی چمکی۔ میں نے نظر اوپر اٹھائی تو آسمان و زمین کے درمیان ایک نورانی وجود کو معلق پایا۔ ابھی میں اُسے حیرت سے دیکھی ہی رہا تھا کہ وہ یونچے اتر اور تین مرتبہ مجھے اپنے سینے سے چمٹا کر چند کلمات تعلیم کیے جو مجھے ابھی تک یاد ہیں۔ اس کے بعد وہ یک دم غائب ہو گیا اور غار میں اندر ھیرا چھا گیا

(لَقَدْ خَيِّثُتُ عَلَى نَفْسِي (یعنی مجھے اپنی جان کا ڈر پیدا ہو گیا ہے) ابھی حضور ﷺ یہیں تک پہنچے تھے کہ غمگسار بیوی جلدی سے بولیں:۔ ”نہیں نہیں!! ایسا خیال ہرگز نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی

ضائع نہیں کرے گا۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ لوگوں کے ساتھ رحم و مرقت سے پیش آتے ہیں اور نہایت صادق القول اور راستباز ہیں۔ غیروں کی مصیبت میں ان کے کام آتے ہیں۔ اعلیٰ اخلاق جو دنیا سے ناپید ہو گئے تھے۔ وہ سارے کے سارے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ میں موجود ہیں۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ بڑی فیاضی کے ساتھ مہمانوں کی خاطر مدارات کرتے ہیں اور ہر ایک نیک کام میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ بھلا ایسے صالح اور نیک انسان کو اللہ تعالیٰ کس طرح ضائع کر دے گا؟ آپ ہر گز کچھ فکر نہ فرمائیں۔“

باقی رہا یہ معاملہ جو آج آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو پیش آیا۔ بے شک یہ عجیب اور حیرت انگیز ہے۔ مگر ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نواف کے پاس لے چلتی ہوں۔ وہ آسمانی کتابوں کا ماہر اور بڑا عالم فاضل شخص ہے۔ وہ ضرور اس کے متعلق ہماری تشغیل کر دے گا اور بتلا دے گا کہ معاملہ کی حقیقت کیا ہے؟ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ گہرا میں نہیں، اٹھ کر کچھ کھا پیں اور کچھ دیر آرام کر لیں۔ جب آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی طبیعت کو ذرا سکون ہو جائے گا تو پھر ہم دونوں ورقہ کے پاس چلیں گے۔

## پیغمبر ﷺ کا تعجب (40)

جب آفتاب نکلنے کو ہوتا ہے تو پہلے بہت ہی ہلکی سی سفیدی اُفق مشرق پر نمودار ہوا کرتی ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اب رات کی تاریکی ختم ہوئی اور دنیا نور سے منور ہونے والی ہے۔ بالکل ٹھیک اسی طرح عرب کی سر زمین پر آفتاب ہدایت طلوع ہونے سے پہلے بت پرستی اور عناصر پرستی کی اندھیری رات جب ختم ہونے کو ہوئی تو بعض عقلمند اور ہوشمند بُت پرست خواب غفلت سے بیدار ہوئے۔ انہوں نے آنکھیں مل کر جو دیکھا تو اپنے ہزار ہا معبدوں کو زرا پھر کا پایا، جونہ بول سکتے تھے، نہ سُن سکتے تھے، نہ حاجت روائتھے، نہ مشکل کشا۔

اُن کی فطرت صحیح نے اُن کو یہ توبتا دیا کہ یہ بُت لاشے محض ہیں۔ مگر اُن کی عقل اُن کو حقیقی خدا کا راستہ نہ دکھا سکی۔ کیونکہ یہ راہ بغیر وحی والا ہام کی روشنی کے نظر نہیں آتی۔

وہ لوگ جنہوں نے بُت پرستی کو بیزار ہو کر چھوڑا تھا۔ زیادہ نہیں تھے۔ صرف گنتی کے دو چار آدمی تھے اور بس۔ ایک زید بن عمرو تھے۔ ایک کو قیس بن صاعدہ کہتے تھے۔ اور ایک شخص کا نام عثمان بن حوریث تھا۔ مگر ان سب لوگوں میں سب سے زیادہ مشہور ورقہ بن نوفل تھے جو بُت پرستی کو چھوڑ

کر عیسائی ہو گئے تھے۔ یہ توریت، زبور اور انجیل کے عالم اور انبیاء گذشتہ کی پیشگوئیوں اور صحف سماوی کی تفسیروں سے بخوبی واقف تھے اور قریش میں بہت معزز حیثیت کے مالک تھے۔

انہی کے پاس خدیجہؓ اپنے شوہر کو لے گئیں اور کہنے لگیں کہ ”بھائی! آج تمہارے اس بھتیجے کے ساتھ ایک بڑا عجیب واقعہ پیش آیا تم ذرا اسے انہی کی زبانی سنو اور پھر بتاؤ کہ کیا ہوا۔“

بُوڑھے ورقہ نے کہا ”میاں سنا و کیا اقصہ ہوا؟“

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”آج جب کہ میں غارِ حرام میں بیٹھا خدا کی یاد کر رہا تھا کہ میں نے ایک بہت عظیم الشان نورانی وجود کو دیکھا جو آسمان سے اتر کر آیا اور مجھے اپنے سینے سے لگا کر کہنے لگا کہ ”پڑھ“ اس کے بعد چند کلمے مجھے پڑھائے اور پھر فضائے آسمانی میں گم ہو گیا بس یہ واقعہ ہوا،“

ورقہ نے سارا اقصہ غور سے سنا اور پھر پوچھنے لگا ”جو کلمات نورانی وجود نے تمہیں پڑھائے تھے وہ تم کو یاد ہیں؟“

آنحضرت ﷺ نے جواب دیا ”ہاں خوب اچھی طرح یاد ہیں۔“ اس کے بعد حضور ﷺ نے وہ ساری آیات ورقہ کو سنائی جو فرشتہ نے غار میں آپ ﷺ کو پڑھائی تھیں۔

الآن آیات کو سن کر ورقہ کہنے لگا:-

”محمد ﷺ! تم اس زمانہ کے سب سے زیادہ خوش قسمت انسان ہو میں تمہیں نبوٰت اور رسالت کی مبارکباد دیتا ہوں۔ جونورانی پیکر تمہیں دکھائی دیا تھا۔ یقیناً وہی فرشتہ تھا جو تم پہلے موئی پر نازل ہو چکا ہے اور جو کلمات اُس نے تمہیں تعلیم کیے۔ وہ خدا کی قسم خدا کے منہ سے نکلی ہوئی باتیں تھیں۔ اگر میں اسوقت تک زندہ رہا۔ جب تم کو تمہاری قوم یہاں سے نکالے گی تو میں اس مصیبت کے وقت میں ضرور تمہاری مدد کروں گا۔ کاش! میں اسوقت تک زندہ رہوں مگر بظاہر حالات امید نہیں کیونکہ میں بہت بوڑھا، نہایت ضعیف اور بے حد کمزور ہو چکا ہوں۔ ہاتھ پاؤں شل ہو چکے ہیں۔ بصارت نے جواب دے دیا ہے۔ شاید برس چھ مہینے ہی میں مر جاؤں۔

ورقة کی اس تقریر پر بہت ہی تجھ اور حیران ہو کر آنحضرت ﷺ نے اُس سے پوچھا:-

”مجھے میری قوم یہاں سے کیوں نکال دے گی؟ میں نے تو کبھی کسی سے کوئی برائی نہیں کی۔ ہر ایک کا ہمدرد اور ہر شخص کا ہی خواہ ہوں۔ سب لوگ مجھ سے خوش ہیں۔ سارے مکہ میں ایک بھی ایسا نہیں جو میرا مخالف یا دشمن ہو۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میری قوم مجھے کیوں میرے طلن سے نکال دے گی؟ نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا کبھی نہیں ہو سکتا میں نے قوم کا کیا بگڑا ہے۔ جو وہ مجھے یہاں سے نکالے گی؟“

بوڑھا فاضل مسکرایا اور کہنے لگا۔ ”ہونے والے مقدس نبی! ابھی یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ جب کبھی کسی انسان نے ایسی بات کہی جیسی تم کہہ رہے ہو۔ تو اُس کی قوم نے ضرور اُس سے دُشمنی کی اور اُس کو سخت سخت تکلیفیں دیں۔ اور بالآخر اُس کو اور اُس کے مانے والوں کو وطن سے نکال دیا۔ اچھا! خدا تمہارا حافظ و ناصر ہو۔ اور تم کو دشمنوں کے شر سے بچائے۔“

یہ تھا سرور عالم ﷺ کی نبوت اور رسالت کی تصدیق کرنے والا سب سے پہلا انسان۔

صلی اللہ علیہ وسلم  
قائد اسلام

**(Hamara Aqa ( pBUH )**  
**Urdu**

Published in UK in 2008

© Islam International Publications Ltd.

Published by:  
Islam International Publications Ltd.  
'Islamabad' Sheephatch Lane,  
Tilford, Surrey GU10 2AQ,  
United Kingdom.

Printed in U.K. at:  
Raqueem Press  
Sheephatch Lane  
Tilford, Surrey  
GU10 2AQ

No part of this book may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronic or mechanical, including photocopy, recording or any information storage and retrieval system, without prior written permission from the Publisher.